U R170 19-12-05

Title - NAQAD-E-SUKHAN ; BAQIYAAT FAANI PAR NAWAB AZIZ YAAR JANG AZIZ KI SUKHNOORI TANQEED.

Creator - Aziz Yaar Jang Aziz.

Publisher - Azam Steam Press (Hyderabad).

Date - 1357 H

Pages - 175

Subjects - Urdu Shayari - Tanqeed; Faani Badauni - Sawaneh-o-Tanqeed
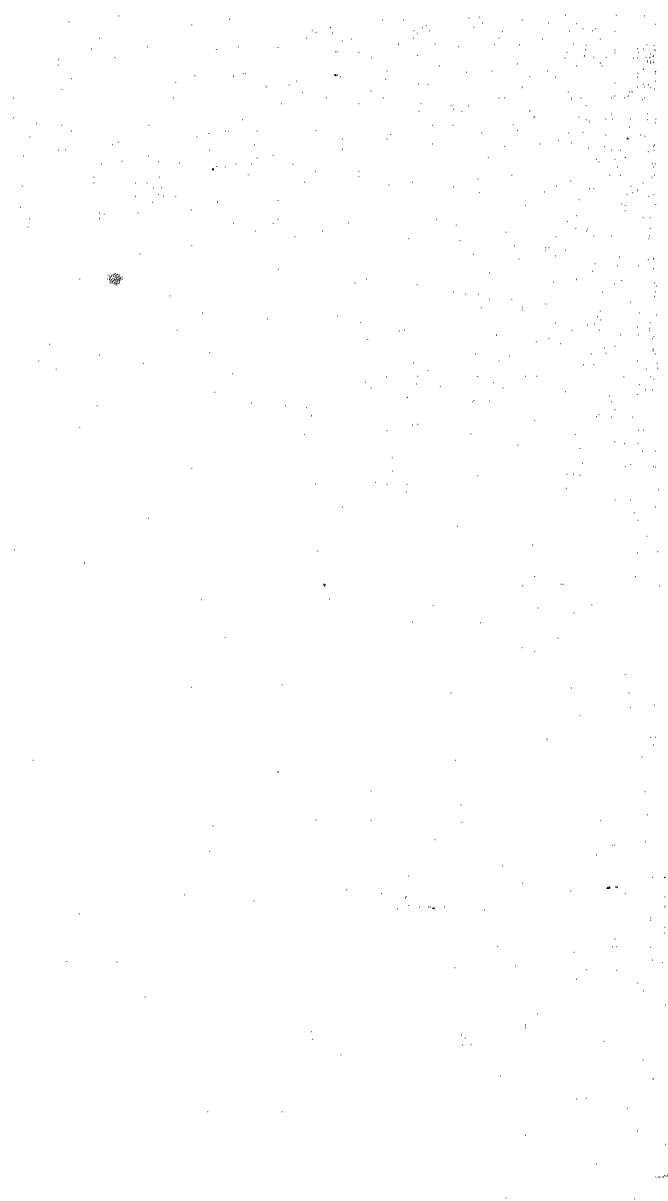
سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اردو شمارہ (۱۳)

نقدِ سخن

یعنی

...یاتِ فانی پر نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز کی سخنورانہ تنقید

سنہ ۱۳۵۷ ہجری
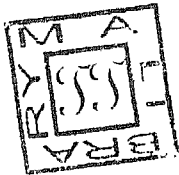
باہتمام خواجہ حمید الدین مہتمم ادارۂ ادبیات اردو
مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن
قیمت عہ/

ادارۂ ادبیات اردو کی دیگر مطبوعات

۱۔ مرقع سخن جلد اول
۲۔ مرقع سخن جلد دوم
۳۔ سراج سخن
۴۔ ایمان سخن
۵۔ فیضِ
۶۔ بادۂ
۷۔ کیف
۸۔ متاعِ سخن
۹۔ وردز ورتھ اور اس کی شاعری
۱۰۔ ٹیگور اور اس کی شاعری
۱۱۔ ہوش کے ناخن
۱۲۔ یوسف ہندی قید فرنگ میں
۱۳۔ نقد سخن
۱۴۔ نذر ولی

M.A.LIBRARY, A.M.U.
U12170

۸۹۱۵۲۳۹
ن ۲۵ ع
۱۲۱۴
27.2.87

تقریب

اردو زبان و ادب کا ذوق اور شعر و سخن سے شغف رکھنے والوں کے لئے "نقد سخن" کا مطالعہ شمع ہدایت اور بصیرت افروز ثابت ہوگا، اس خیال سے ادارہ نے اس کو کتاب کی شکل میں طبع کرنے کی اجازت حاصل کی ہے۔

ہم نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز کے بیحد شکر گزار ہیں کہ معزز نے از راہ علم دوستی نہ صرف اس کی طباعت کی اجازت دی بلکہ حق اقتباس و اشاعت بھی ادارہ کو عطا فرمایا ہے۔

توقع ہے کہ اس سخنورانہ تنقید سے اردو زبان کے شایقین اور دور حاضر کے شعراء و سخن سنج مستفید ہوں گے۔

سید محی الدین قادری زورؔ
مدیر عمومی

رفعت منزل، خیریت آباد
یکم مارچ سنہ ۱۹۳۰ء

تنقید
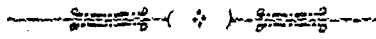
کچھ اس طرح تڑپ کر میں بیقرار رویا
دشمن بھی چیخ اٹھا بے اختیار رویا ۱

"من بیقرار" کا ترجمہ "میں بیقرار" صحیح نہیں اس لیے کہ فارسی ترکیب میں لفظ "من" مضاف واقع ہوا ہے۔

آیا ہے بعد مدت بچھڑے ہوئے ملے ہیں
دل سے لپٹ لپٹ کر غم بار بار رویا ۲

دونوں مصرعوں میں زمانہ کا تطابق الفاظ سے صحیح نہیں ہے، ردیف "رویا" کی بجائے "روتا ہے" چاہیے نیز غم روتا نہیں رلاتا ہے۔ ع

کیا اس کو بیقراری یاد آگئی ہماری

۳　مل مل کے بجلیوں سے ابر بہار رویا

دونوں مصرعوں میں ربط نہیں ہے۔ چونکہ پہلے مصرع میں "کیا" حرف استفہام ہے اس لیے دوسرے مصرع میں "مل مل" کی بجائے "کیوں مل" ہونا چاہیے۔

آیا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہوں

۴　یہ جانتا ہوں دل اِدھر آیا اُدھر گیا

اس شعر میں دل کا آنا کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟ اگر لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے "آنا جانا" تو عاشق کا دل ٹینس بال ٹھہرا یعنے اِدھر آیا اُدھر گیا۔ اگر "دل آنا" مجازاً عاشق ہونا کے معنی میں استعمال ہوا ہے تو جب بھی اِدھر آیا اُدھر گیا سے کیا مُراد ہے؟

شاید کہ شام ہجر کے مارے بھی جی اُٹھے
صبح بہارِ حشر کا چہرا اُتر گیا ۵

"جی اُٹھے" یہ الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ "شام ہجر کے مارے" "کشتگانِ شامِ ہجر" کے معنی میں استعمال ہوا ہے، لیکن اردو میں اس کے معنی ہیں "وہ لوگ جن کو شامِ ہجر نے ستایا ہے"۔ جیسے مصیبت کا مارا، جو مصیبت زدہ کا ترجمہ ہے، کشتۂ مصیبت کا نہیں۔

آزاد کچھ ہوئے ہیں اسیرانِ زندگی
یعنی جمالِ یار کا صدقہ اُتر گیا ۶

"صدقہ اُتر جانا" صحیح نہیں "صدقہ اتارنا" یعنی کسی چیز کا کسی کے گرد پھرا کر دیا جانا اردو میں مستعمل ہے۔

فانی کی ذات سے غمِ ہستی کی تھی نمود
۷ شیرازہ آج دفترِ غم کا بکھر گیا

پہلے مصرع میں "غمِ ہستی" کا ذکر ہے دُوسرے مصرع میں "غم" کی تکرار ہے اور یہ واضح نہیں ہوتا کہ "دفترِ غم" آیا غمِ ہستی کا ہے یا عشق و ہوس کا؟

ہزار ڈھونڈیے اس کا نشاں نہیں ملتا
۸ جبیں ملے تو ملے" استاں نہیں ملتا

"جبیں ملے تو ملے" اس سے کیا مراد ہے؟ جبیں تو آستان کے ہر متلاشی کے ساتھ ہے۔

مجھے بلا کے یہاں آپ چھپ گیا کوئی
۹ وہ مہماں ہوں جسے میزباں نہیں ملتا

"کوئی" کا لفظ جب شخص نامعلوم کے معنی پر استعمال ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ "آپ" کا لفظ استعمال

کرنا خلاف قاعدہ ہے۔

تجھے خبر ہے ترے تیرِ بے پناہ کی خیر
بہت دنوں سے دلِ ناتواں نہیں ملتا ۱۰

دوسرے مصرع میں الفاظ ماسبق کے لحاظ سے ردیف "نہیں ملتا" صحیح نہیں، یہ مقام "نہیں ملا" کا ہے۔

وہ بدگماں کہ مجھے تابِ رنجِ زیست نہیں
مجھے یہ غم کہ غمِ جاوداں نہیں ملتا ۱۱

"غمِ جاوداں نہیں ملتا" یہ ترکیب مہمل ہے کیونکہ غم کے ساتھ "ملنا" استعمال نہیں ہوتا۔ اسی طرح

تری تلاش کا فی الجملہ ماحصل یہ ہے
کہ تو یہاں نہیں ملتا وہاں نہیں ملتا ۱۲

مصرع ثانی میں "نہیں" کے عوض دونوں جگہ "نہ" چاہیے جیسے "تو نہ یہاں ملتا نہ وہاں ملتا"۔

بتا جرسِ دور ہیں کدھر جاؤں

۱۳ نشان گردِ رہِ کارواں نہیں ملتا

لفظ "دور" چونکہ حلقہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اس لیے "جرس دور" کے عوض جرسِ دہر بہتر ہے۔

چشم ساقی اثرِ مے سے نہیں ہے گلرنگ

۱۴ دل مرے خون سے لبریز ہے پیمانہ کا

"پیمانے" کو دل کا مضاف الیہ قرار دینے کی بجائے اگر یوں کہا جاتا کہ پیمانہ میرے دل کے خون سے لبریز ہے تو شعر بامعنی اور تشبیہ کامل ہوتی۔

لوحِ دل کو' غمِ الفت کو' قلم کہتے ہیں

۱۵ کُن ہے اندازِ رقمِ حُسن کے افسانے کا

"غم" کو قلم سے تعبیر کرنا عجیب و غریب ہے'

اور "کو" کی تکرار بھی مخلِ فصاحت!

"کن ایک کلمۂ لفظی ہے اِس لحاظ سے" انداز رقم" کی جگہ پر" انداز بیان" زیادہ موزوں ہے۔

کس کی آنکھیں دمِ آخر مجھے یاد آئی ہیں
دل مرقع ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کا ۱۶

"چھلکتے" کی مناسبت سے مصرع اول میں آنکھوں کے ساتھ کوئی تشبیہ از قبیل "پرنم" یا "مخمور" لائی جاتی تو بہتر تھا۔

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مرجانے کا ۱۷

پہلے مصرع میں "بھی" کے بعد "تو" کا لفظ زائد اور مخلِ فصاحت ہے۔ "بھی تو" کی بجائے "آپ" چاہیے۔

اس کے علاوہ مصرع ثانی کی ترکیب بھی مہمل ہے
کیونکہ کسی کے مرجانے کا حیلہ کوئی نہیں ڈھونڈتا
البتہ مار ڈالنے کے لیے حیلہ درکار ہے۔

اب اسے دار پہ لیجا کے سلادے ساقی
۱۸
یوں بہکنا نہیں اچھا ترے مستانے کا

یہ نہیں معلوم ہوتا کہ دار پر سلانے کی زحمت ساقی
کو کیوں دیجا رہی ہے؟ اور "دار پہ سُلانا" کس معنی
میں استعمال ہوا ہے؟ اگر "سولی دینا" کے معنی
میں استعمال ہوا ہے تو غلط ہے۔ اس مفہوم کو ادا کرنے
کے لیے اردو میں "دار پر چڑھانا" مستعمل ہے۔

دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں لہو کی بوندیں
۱۹
سلسلہ شیشہ سے ملتا تو ہے پیمانے کا

بہتر تو یہ تھا کہ پیمانے کی مناسبت سے صرف

آنکھ کا ذکر ہوتا یا آنکھوں کی مناسبت سے پیمانے کی جمع لائی جاتی۔

ہڈیاں ہیں کئی لپٹی ہوئی زنجیروں میں
لیے جاتے ہیں جنازہ ترے دیوانے کا ۲۰

یہ شعر جو کہ یہ منظر پیش کر رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

ہم نے چھانی ہیں بہت دیر و حرم کی گلیاں
کہیں پایا نہ ٹھکانا ترے دیوانے کا ۲۱

دوسرے مصرع کا یہ ٹکڑا ''ترے دیوانے کا'' مفید معنی نہیں، اس سے ایک تیسرے شخص کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ صرف ''ٹھکانا ترا'' ادائے مطلب کے لیے کافی ہے۔

کہتے ہیں کیا ہی مزے کا ہے فسانہ فانی
۲۲ آپ کی جان سے دُور آپ کے مرجانے کا

"مرجانا" کس معنی میں استعمال ہوا ہے، اگر حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے تو مرجانے کے بعد یعنے فوت ہوجانے کے بعد "آپ کی جان سے دُور" کہنا لغو ہے۔ یہ تو اس وقت کہتے ہیں جب کوئی حادثہ وغیرہ ابھی وقوع پذیر نہ ہوا ہو۔

"مرجانا" اگر "عاشق ہونا" کے معنی میں استعمال ہوا ہے تو جب بھی "آپ کی جان سے دُور" کہنا بے محل ہے اگرچہ مطلق "مرجانا" عاشق ہونا کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔

یاں ہوش سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا

اس بزم میں ہشیار ہوا بھی نہیں جاتا ۲۳

"بیزار ہونا" یعنے ناراض ہونا، ملول ہونا، ناخوش ہونا، یہاں کیا معنی مراد ہیں؟ اور اُس کو ہوش سے کیا تعلق ہے؟

قطع نظر اس کے جب مصرع اولیٰ میں ہوش سے بیزار ہونے کی نفی کر دی گئی ہے تو شاعر ہشیار قرار پاتا ہے، ایسی صورت میں مصرع ثانی میں یہ کہنا کہ "ہشیار ہوا بھی نہیں جاتا" بے معنی ہے۔

کہتے ہیں کہ ہم وعدۂ پرسش نہیں کرتے

یہ سن کے تو بیمار ہوا بھی نہیں جاتا ۲۴

"پرسش" کا لفظ اگرچہ عیادت کے معنی میں

مستعمل ہے لیکن وعدہ کے لفظ کی وجہ سے سامع کا ذہن جامیؒ کے مندرجۂ ذیل شعر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے :-

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسش نماز بود

قطع نظر اس سے قافیہ میں لفظ "بیمار" نہیں معلوم کس معنی میں استعمال ہوا ہے، اگر حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے، تو یہ درست نہیں؛ اس لیے کہ "بیمار" ہونا انسان کا اختیاری فعل نہیں ہے، اور اگر لفظ بیمار سے مجازاً "عاشق" مُراد ہے، تو مصرعِ ثانی کے یہ معنی ہوئے کہ ہم سے عاشق ہوا بھی نہیں جاتا۔

دشواریٔ انکار سے طالب نہیں ڈرتے

یوں سہل تو اقرار ہوا بھی نہیں جاتا ۲۵

دُوسرے مصرع میں ردیف "ہوا بھی نہیں جاتا" بے معنی ہے "جاتا" کی بجائے "کرنا" ہوتا تو مصرع با معنی ہوسکتا۔

دیکھا نہ گیا اُس سے تڑپتے ہوئے دل کو

ظالم سے جفا کار ہوا بھی نہیں جاتا ۲۶

مصرعِ ثانی میں معشوق کو "ظالم" کے لفظ سے خطاب کیا گیا ہے اس لیے مصرعِ اولیٰ میں بطور اضمار قبل از ذکر "اُس سے" خطاب کرنا مانعِ فصاحت ہے۔ "اُس سے" کی عوض اگر "میرے" ہوتا تو یہ عیب مٹ جاتا اور مصرع میں روانی پیدا ہو جاتی۔

جاتے ہوئے کھاتے ہو مری جان کی قسمیں
۲۷
اب جان سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا

پہلے مصرع کا مطلب تو صاف ہے، لیکن لفظ "قسمیں" مصرع کے آخر میں واقع ہونے کی وجہ سے "جاتے ہوئے کھاتے ہو" میں جو لطف ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔

غم کیا ہے اگر منزلِ جاناں ہے بہت دُور
۲۸
کیا خاک رہِ یار ہوا بھی نہیں جاتا

دُوسرے مصرع میں لفظ "یار" موجود ہے اس لیے "منزل" کو "جاناں" کی طرف مضاف کرنا درست نہیں۔ یا تو لفظ "جاناں" رہے یا لفظ "یار" اگر بہ رعایت قافیہ "جاناں" کی عوض مقصود وغیرہ اس معنی کا کوئی لفظ مصرع اوّل میں لایا جاتا تو یہ

نقص رفع ہو جاتا۔

خونِ ناحق کا گلہ تھا کچھ ادب کا جوش تھا
لاش کی صورت زباں تھی اور میں خاموش تھا ۲۹

"لاش کی صورت زباں تھی" کہہ کر یہ معنی لینا کہ زبان لاش کی طرح بے زبان تھی مہمل ہے۔

نور برقِ معرفت بخشا دلِ آگاہ نے
ورنہ پہلے سوزِ غم اک شعلۂ بے ہوش تھا ۳۰

مصرع ثانی میں سوزِ غم کو شعلہ اور پھر شعلہ کو بے ہوش کہنا "چیل بسولا لے گئی کیسے پھٹکوں زاب" کے مصداق ہے۔

سرگذشتِ عمر کہیے اس کو یا روداِ عشق
دل کے لب جنبش میں تھے اور میں سراپا گوش تھا ۳۱

"سراپا گوش" کی بجائے ہمہ تن گوش ہوتا تو

بہتر تھا۔ ''دل کے لب جنبش میں تھے'' کہنے سے حقیقی معنی یعنے لبوں کی حرکت ثابت ہوتی ہے، مجازی معنی لینے کے لیے کوئی قرینہ چاہیے جیسے حکیم سنائی نے مُسکرانے کو لبِ تبسم سے تعبیر کیا ہے :-

ہجراں زدہ را لبِ تبسّم
جُز در رُخ دوستاں نخبند

اگر بات کرنے کو ''لبِ تکلم'' کی جنبش سے تعبیر کیا جاتا تو شعر بامعنی ہوتا۔

دل کی ہر کروٹ میں اک دنیا بنی اک مٹ گئی
۳۲
ہائے ان دو خون کی بوندوں میں کتنا جوش تھا

''بنی'' کی مناسبت سے ''مٹی'' چاہیے ''مٹ گئی'' صحیح نہیں۔

مصرعِ ثانی میں "دو" جو اسمِ عدد ہے معدود یعنی "بوندوں" سے بہت دُور جا پڑا ہے جس سے خون کا تعدد لازم آتا ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ شاعر "دو خون کی بوندوں" کے عوض خون کی دو بوندوں کہتا۔

پی اور وہ پی ازل میں کہ اتری نہ حشر تک
یادش بخیر دل بھی عجب بادہ نوش تھا ۳۳

"یادش بخیر" دعا کے طور پر غائب کے حق میں بولا جاتا ہے، متوفی کے حق میں نہیں، چونکہ مصرعِ ثانی میں "بادہ نوش تھا" کہنے سے بادہ نوش کا متوفی ہونا ظاہر ہوتا ہے اس لیے "یادش بخیر" کا استعمال بے موقع ہے۔

برپا تھا دل کی لاش پہ اک محشرِ سکوت

۳۴　تیرے شہید ناز کا ماتم خموش تھا

لفظ "محشر" کو "سکوت" کی طرف مضاف کرنا اور اس کے ساتھ "برپا" استعمال کرنا مہمل ہے۔

محرومیاں ذریعۂ الہام ذکر تھیں

۳۵　نالوں پہ انحصار پیامِ سروش تھا

پہلے مصرع میں لفظ "ذکر" زائد ہے "محرومیاں ذریعۂ الہام تھیں" سے مطلب ادا ہو جاتا ہے۔

فردائے حشر خیر سے آنکھوں کا تھا قصور

۳۶　ہر رُخ مری نگاہ کا تصویرِ دوش تھا

"خیر سے" مصرع اولیٰ میں بے محل استعمال ہوا ہے اِس لیے کہ "خیر سے" ماشاء اللہ کی جگہ طنزاً بولتے ہیں۔

عشق کی دُنیا زمیں سے آسماں تک شوق تھی
تھا جو کچھ تیرے سوا آغوش ہی آغوش تھا ۳۷

پہلے مصرع سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عشق کی دنیا شوق سے معمور تھی یعنے شوق ہی شوق تھا، اس لحاظ سے دوسرے مصرع کا یہ ٹکڑا (تیرے سوا آغوش ہی آغوش تھا) بے معنی ہے۔

کیا یہ فانی کر رہا تھا عالم ہستی کی سیر
آگے آگے بیخودی تھی پیچھے پیچھے ہوش تھا ۳۸

بیخودی سے بیخود موہانی اور ہوش سے ہوش مُراد لیے جائیں تو یہ شعر با معنی اور پُر لطف ہو سکتا ہے ورنہ مہمل ہے۔

شوق بے تاب کا انجام تحیّر پایا
۳۹
دل سمجھتے تھے جسے دیدۂ حیراں نکلا

"شوق کا انجام تحیر پایا" یہ ترکیب درست نہیں اگرچہ انجام کا لفظ مآل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن پانا کے ساتھ نہیں۔ "تھا" چاہیے۔

ہائے وہ وعدۂ فردا کی مدد وقت آخر
۴۰
ہائے وہ مطلب دشوار کہ آساں نکلا

"مدد اللہ" فقیروں کی آواز تو مشہور ہے لیکن "وعدۂ فردا کی "مدد" صدائے بے معنی ہے۔

اب جنوں سے بھی توقع نہیں آزادی کی
۴۱
چاک داماں بھی باندازۂ داماں نکلا

مصرع اول میں لفظ "بھی" زائد ہے کیونکہ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جنوں کے علاوہ کسی اور چیز سے

بھی آزادی کی توقع تھی ۔

بجلیاں شاخِ نشیمن پہ بچھی جاتی ہیں
کیا نشیمن سے کوئی سوختہ ساماں نکلا ۴۲

شاعر نے دوسرے مصرع کو پہلے مصرع کی کیوں علت قرار دی ہے واضح نہیں، قطع نظر اس سے بجلیوں کے ساتھ "بچھنے" کا لفظ استعمال کرنا مضحکہ خیز ہے ۔

چارہ گر ناصحِ مشفق دلِ بے صبر و قرار
جو ملا عشق میں غمخوار وہ ناداں نکلا ۴۳

لفظ "قرار" پر بھی بار قافیہ کی ضرورت ہے "دلِ بے صبر و قرار" کہنے سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ "قرار" دلِ بے صبر سے جدا ہے ۔

دل بھی تھا مُنہ سے بس آ کے آہ نکل جانے تک

۴۴ آگ سینہ میں لگا کر غمِ جاناں نکلا

"غم نکلا" صحیح نہیں لفظ "غم" کے ساتھ "نکلنا" استعمال نہیں ہوتا۔ یہاں رہا چاہیئے ۔

۴۵ تمام قوتِ غم صرف دل ہوئی ورنہ
زمیں زمیں ہی نہ ہوتی نہ آسماں ہوتا

موجودہ صورت میں پہلا مصرع دوسرے مصرع کی علت قرار نہیں پا سکتا، اگر غم کی جگہ دل کا لفظ اور دل کی جگہ غم کا لفظ ہوتا تو یہ معنی ہوتے کہ دل غم کی وجہ سے ناتوان ہو گیا ہے ورنہ نالہ و فغاں سے زمیں ہوتی نہ آسماں ہوتا۔

کمال ضبط غم عشق اے معاذ اللہ
کہیں کہیں سے جو یہ ماجرا بیاں ہوتا ۴۶

مصرع ثانی میں "جو" کا لفظ مفید معنی نہیں۔ اگر "جو" کی جگہ "تو" کا لفظ ہوتا تو ردیف با معنی ہو سکتی۔

مٹا دیا غم فرقت نے ورنہ ہیں فانی
ہنوز ماتمی مرگ ناگہاں ہوتا ۴۷

پہلے مصرع میں "ہیں فانی" غیر فصیح ہے، دوسرے مصرع میں ردیف "ہوتا" بھی بے معنی ہے، یہ مقام "رہتا" کا ہے۔

کیوں خون دل لگی ہی رہیگی جگر میں آگ
اے ننگ عاشقی تری غیرت کو کیا ہوا ۴۸

اے ننگ عاشقی کہہ کر خون دل کو غیرت

دلانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر یہ نہیں چاہتا کہ جگر میں آگ لگی رہے یعنی سوزِ محبت باقی رہے حالانکہ جگر میں آگ کا لگا رہنا ہی عین عشق ہے۔

قاتل سنبھل کہ یہ نگہِ واپسیں نہیں
۴۹
خنجر ہے میرے دل کے لہو میں بجھا ہوا

یہ "لہو میں بجھا ہوا خنجر" کیا بلا ہے؟ زہر میں بجھا ہوا خنجر یا نشتر تو اردو میں مستعمل ہے جو زیادہ تیز اور مہلک سمجھا جاتا ہے۔

اے جذبِ بیخودی ترے قربان جائیے
۵۰
پھرتا ہے دل میں کوئی مجھے ڈھونڈتا ہوا

یعنی معشوق عاشق کو عاشق ہی کے دل میں ڈھونڈتا پھرتا ہے؟ کیا خوب؟ دریا میانِ کشتی، کشتی میانِ دریا۔

میری ہوس کو عیش دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دکھا ہوا ۵۱

"دل دکھا ہوا" صحیح نہیں، غمگین کا ترجمہ "دل دکھا" اردو میں مستعمل ہے۔ "ہوا" ردیف مخل معنی ہے۔

مجھ کو مرے نصیب نے روز ازل نہ کیا دیا
دولت دو جہاں نہ دی اک دل مبتلا دیا ۵۲

بحالت اضافت "دو جہاں" میں "واو" کو ملفوظہ لانا صحیح نہیں۔ "دو" فارسی کا لفظ ہے۔ فارسی میں اور جب اردو میں فارسی ترکیب کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو "واو" معدولہ ہوگا جیسے ع :-

آدم دو بارہ سوئے بہشت بریں گیا (ذوق)

اور جب اردو کی ترکیب میں استعمال ہوتا ہے تو "واو" کو ملفوظہ لانا ضروری ہے جیسے ع :-

سن لیجئے دو بول ہے افسانہ ہمارا (منیر)

علاوہ اس کے مصرع اولیٰ میں حرف نفی "نہ" کی تقدیم مخل فصاحت ہے اور غلط بھی! یہاں "نہیں" چاہیے۔

۵۳

روزِ جزا گلہ تو کیا شکر ستم ہی بن پڑا
ہائے کہ دل کے درد نے درد کو دل بنا دیا

دوسرا مصرع مہمل ہے۔ "ہائے" کے بعد "کہ" کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، نیز "دل کے درد نے درد کو دل بنا دیا" ایسا ہی ہے جیسا کوئی زید کے شاعر ہونے کو یوں بیان کرے کہ زید نے زید کو شاعر بنا دیا۔ شکر بن پڑا۔ بولی "ہاں" کی ضد ف۔

ع

آپ ہم اپنی آگ میں اے غم عشق جل بجھے
آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا جلا دیا ۵۴

"پرائی آگ میں پڑنا" تو اردو میں مستعمل ہے یعنی دوسرے کی مصیبت اپنے سر لینا، لیکن "اپنی آگ" کہہ کر اپنی مصیبت مراد لینا صحیح نہیں۔

اس کے علاوہ "آپ ہم" ہم خود کے معنی میں خلاف محاورہ ہے "ہم آپ" چاہیے جیسے ع:-
بک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ (غالب)

اُف کے گناہگار ہم ہیں تو مگر خطا معاف
آٹھ پہر کے درد نے دل ہی تو ہے دکھا دیا ۵۵

مصرع ثانی مہمل ہے "درد نے دل ہی تو ہے دکھا دیا" ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے زخم نے

جسم ہی تو ہے زخمی کر دیا۔

قبر میں جب کسی طرح دل کی تڑپ نہ کم ہوئی

۵۶ یادِ خرامِ ناز نے حشر کا آسرا دیا

"آسرا دینا" یعنے سہارا دینا، بھروسا دلانا۔ یہاں کیا معنی مُراد ہیں؟

یوں نہ کسی طرح کٹی جب مری زندگی کی رات

۵۷ چھیڑ کے داستانِ غمِ دل نے مجھے سُلا دیا

محاورہ تو "زندگی کے دن کاٹنا" ہے "زندگی کی رات" نہیں۔

اب مری لاش پر حضور موت کو کوستے تو ہیں

۵۸ آپ کو یہ بھی ہوش ہے کس نے کسے مٹا دیا

مصرعِ ثانی میں "آپ کو یہ بھی ہوش ہے" بے محل استعمال ہوا ہے، اس سے مخاطب کی

اک گونہ توہین ہوتی ہے خصوص ایسے موقع پر جب معشوق لفظ "حضور" سے خطاب کیا گیا ہے۔

گریۂ آتشیں کی داد دے شبِ غم تو کون دے
خود سرِ شام کیا بجھی شمع نے دل بجھا دیا ۵۹

گریہ یعنی زاری، لفظِ گریہ کی صفت "آتشیں" اچھا صحیح نہیں۔

دل میں سما کے پھر گئی آس بندھا کے پھر گئی
آج نگاہِ دوست نے کعبہ بنا کے ڈھا دیا ۶۰

"نگاہ پھرنا" بولتے ہیں "نگاہ پھر جانا" نہیں بولتے۔

ماسوائے دل میں اک ہنگامہ برپا کر دیا
چشم کافر کا وہ دل لے کر مکرر دیکھنا ۶۱

"ماسوا" بمعنی جو سوا ہو، عموماً ان چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو ماسوائے ذاتِ باری تعالیٰ

ہیں یعنی موجودات، مخلوقات، لیکن اردو میں
"سوا" بمعنی علاوہ مستعمل ہے اور اس کے ساتھ
لفظ "ما" عموماً نہیں ہوتا، یہاں "ماسوائے دل"
سے کیا مراد ہے؟ اور دل کے سوا عاشق کے پاس
وہ کونسی چیزیں ہیں جن میں ہنگامہ برپا ہو سکتا
ہے۔

تشنہ لب بھی تھا میں ساقی جان سے بیزار بھی
۶۲
ساغر اور پھر زہر سے لبریز ساغر دیکھنا

مصرع اول میں لفظ "تھا" مخل معنی ہے
اس کی جگہ پر "ہوں" اگر ہوتا تو ردیف با معنی ہو سکتی۔

دیدنی ہے رنگ دل میں ڈوب کر کھنچنے کے بعد
۶۳
تم ابھی کیا دیکھتے ہو تھم کے خنجر دیکھنا

"تھم کے دیکھنا" فصحا، نہیں بولتے، تھم کا لفظ

عموماً تکرار کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے تھم تھم کے دیکھنا، تھم تھم کے قدم اُٹھانا وغیرہ۔

یوں چرائیں اس نے آنکھیں سادگی تو دیکھیے
بزم میں گویا مری جانب اشارہ کر دیا ۶۴

"چرائیں اس نے آنکھیں" یہ ترکیب درست نہیں۔ فصل کی وجہ سے "چرانا" کے لغوی معنی مراد ہونگے اصطلاحی نہیں۔

بچ رہا تھا اک جو آنسو دار و گیرِ ضبط سے
جوششِ غم نے پھر اس قطرہ کو دریا کر دیا ۶۵

لفظ "پھر" مفید معنی نہیں کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس سے پہلے بھی جوششِ غم نے آنسو کو دریا کر دیا تھا۔

جب ترا ذکر آگیا ہم دفعتاً چپ ہو گئے
۶۶ وہ چھپایا رازِ دل ہم نے کہ افشا کر دیا

"وہ چھپایا" فصحا نہیں بولتے، اس کی جگہ پر "یوں" اگر ہوتا تو فصاحت کا پہلو نہ دبتا، علیٰ ہذا "ہم" کی تکرار بھی مخل فصاحت ہے۔

دردمندانِ ازل پر عشق کا احساں نہیں
۶۷ درد یاں دل سے گیا کب تھا کہ پیدا کر دیا

تو کیا دردِ ازلی عشق سے سوا ہے؟

دل کو پہلو سے نکل جانے کی پھر رٹ لگ گئی
۶۸ پھر کسی نے آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کر دیا

"رٹ لگنا" یعنے بار بار کہے جانا، لیکن اردو میں اس کا استعمال نام کے ساتھ ہوتا ہے فعل کے ساتھ نہیں جیسے ع اُس نام کی لگ گئی ہے رٹ اُس کو۔

کس قدر بیزار تھا دل مجھ سے ضبطِ شوق پر
جب کہا دل کا کیا ظالم نے رسوا کر دیا ۶۹

ضعفِ نظم سے قطع نظر مصرعِ ثانی میں، اگر "دل" کے عوض ضمیر اشارہ لائی جاتی تو لفظ "دل" کی تکرار کا عیب مٹ جاتا۔

تجلیات وہم ہیں مشاہداتِ آب و گل
کرشمۂ حیات ہے خیال وہ بھی خواب کا ۷۰

تجلیات کو "وہم" کی طرف مضاف کرنا درست نہیں اس لیے کہ "وہم" کو ضو اور تابندگی سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

دلِ اذیت آفریں رہینِ امتحاں نہیں
خدائے بے نیاز ہے جہانِ اضطراب کا ۷۱

"خدا" کا لفظ مجازاً بھی استعمال ہوتا ہے

جیسے خدائے سخن وغیرہ' لیکن "خدا" کے لفظ
کے ساتھ "بے نیاز" بطور صفت لانے کے
بعد خدا کے معنی حقیقی ہونگے یعنے پروردگار
کائنات' لہذا دل کو خدائے بے نیاز کہنا
سوء ادب ہے۔

بتائے نہ حال دل نہ حال پوچھتا ہوں میں
۲ے
مآل پوچھتا ہوں میں دلِ وفا خراب کا

مصرع اول کی ترکیب درست نہیں "نہ حال
پوچھتا ہوں میں" کی بجائے "حال نہیں
پوچھتا ہوں میں" چاہیے۔

جہان بے سکون میں سکون ہی سکون ہے
۳ے
مری نگاہِ مضطرب ہے رازِ انقلاب کا

بحالتِ اضافت لفظ "بے سکون" میں "نون"

کا اعلان صحیح نہیں خواہ اُردو میں ہو خواہ فارسی میں۔

وہ صرف صد یقیں سہی حیات پھر حیات ہے
کہاں سے لاؤں اعتبار مرگِ کامیاب کا ۷۴

لفظ "صرف" زائد ہے اس کے ہوتے ہوئے لفظ "صد" کی ضرورت نہیں اور اگر لفظ "صد" ہو تو لفظ "صرف" نہ ہونا چاہیے۔ نیز "اعتبار لانا" غلط۔

عہدِ جوانی ختم ہوا اب مرتے ہیں نہ جیتے ہیں
ہم بھی جیتے تھے جب تک مرجانے کا زمانہ تھا ۷۵

یہ شعر عجزِ نظم کی ایک افسوس ناک مثال ہے، قطع نظر اس سے "نہ" میں "نون" کے فتح کا اشباع اور "کا" کے الف کا اخفاء دونوں ناجائز ہیں۔

دل اب دل ہے خدا رکھے ساقی کو میخانے کو

۷۶ ورنہ کسے معلوم نہیں ٹوٹا سا پیمانہ تھا

دونوں مصرعوں کی بندش کا تو ذکر ہی کیا' یہ کہنا کہ "دل اب دل ہے" ایک بے معنی سی بات ہے۔

شعبدے آنکھوں کے ہم نے ایسے کتنے دیکھے ہیں

۷۷ آنکھ کھلی تو دنیا دیکھی بند ہوئی افسانہ تھا

"آنکھ کھلنا" "پیدا ہونا" "آنکھ بند ہونا" "فوت ہونا" اس لحاظ سے شعبدے مرگ و زیست سے متعلق ہونگے آنکھوں سے نہیں۔

فانی گو کیسا ہی سہی پھر بھی تجھ سے نسبت تھی

۷۸ دیوانہ تھا تھا کس کا تیرا ہی دیوانہ تھا

تھا! تھا!! تھا!!! سے شعر میں جو لطف موسیقی پیدا ہو گیا ہے وہ محتاج تشریح نہیں۔

آسماں گرم تلافی چاہیے کیسا قفس
بجلیوں کے اک اشارہ میں قفس کا در کھلا ۷۹

دوسرا مصرع مہمل ہے۔ تمام بجلیوں کا ایک ہی امر پر متفق ہو کر اک اشارہ کرنا محال ہے۔ ردیف بھی صحیح نہیں "کھل جاتا ہے" یا "کھل جائیگا" چاہیے۔

ہجر ساقی میں ہمارے گھر کی کیفیت نہ پوچھ
بند در ہر شیشہ خالی دل بھرا ساغر کھلا ۸۰

شاعر اپنے گھر کی کیفیت بیان کر رہا ہے اس لحاظ سے دوسرے مصرع میں دل کا ذکر جس کا تعلق ذات شاعر سے ہے، بے موقع ہے۔ گھر کا ذکر کرتے ہوئے "ہر شیشہ" کہہ کر شیشۂ شراب مراد لینا بھی صحیح نہیں، اگر میخانہ کا ذکر ہوتا تو

"ہر شیشہ" سے مُراد شیشۂ شراب ہو سکتا۔ "ساغر کھلا" کا مطلب بھی نہیں کھلتا۔

بند ہے باب قفس ہو سر تو پٹکے جائیے
۸۱
ہم نے دیکھا ہے قفس کی تیلیوں میں "در" کھلا

دُوسرا مصرع مہمل ہے، تیلیوں کی بافت میں جو روزن ہوتے ہیں ان کو "در" کہنا صحیح نہیں، "کھلا" ردیف بھی مفید معنی نہیں، کھُلا ہوا چاہیے۔

اللہ اللہ اک دُعائے مرگ کے دو دو اثر
۸۲
واں کھُلا بابِ اجابت یاں قفس کا در کھلا

"دو" کی تکرار اختصار کے لیے آتی ہے، جیسے دو دو باتیں یعنی مختصر بات چیت، دو دو نوکیں یعنے تھوڑی سی سخت کلامی،

"اک دعا کے دو دو اثر" کہہ کر دو طرح کا اثر مراد لینا صحیح نہیں، اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے اک دعا کے دو اثر کہنا ہی کافی ہے۔

دل میں زخم اشکوں میں خوں صورت بیں عالم میرِ ہیں
وہ نگہ اُف وہ مژہ ناوک چُبھا نشتر کھلا ۸۳

مصرعِ ثانی مہمل ہے، ناوک تو خیر چُبھا، لیکن نشتر کھلا سے کیا مراد ہے۔

اُف اس آزادیؔ بے ہنگام کی مجبوریاں
میں قفس کے پاس یوں بیٹھا ہی رہتا پر کھلا ۸۴

"بے ہنگام" کے بے محل استعمال سے قطع نظر، لفظ "آزادیؔ" میں "ی" کو مشدد لانا فصاحت کے خلاف ہے۔

جُز وعدۂ باطل نہیں بنیاد کچھ اس کی

۸۵
دل کانپ اٹھا دیکھ کے ایوانِ تمنّا

"دل کانپ اٹھا" صحیح نہیں "دل لرزنا" کے معنی میں "دل کانپنا" بولتے ہیں "دل کانپ اُٹھنا" نہیں کہتے نیز ایوانِ تمنا یعنے دل کی دل [illegible]

آہستہ گذر صرصرِ غم وادیِ دل میں

۸۶
برباد نہ کر خاکِ شہیدانِ تمنّا

"گذر" امر کا صیغہ ہے "گذرنا" سے، اردو میں "گذرنا" کے کئی معنی ہیں، مثلاً راستے سے گذرنا، پاس سے گذرنا، لیکن مطلق "گذرنا" داخل ہونا کے معنی میں صحیح نہیں، "میں" کی بجائے پہلے مصرع میں "سے" چاہیے۔

"شہیدانِ تمنّا" کے معنی ازروئے ترکیب

وہ لوگ جن کو تمنّا نے شہید کر ڈالا، لیکن شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ وہ تمنائیں جو شہید ہو گئیں، غلط! شعر مہمل ہے۔

مضمون تو مکتوبِ ازل کا نہیں معلوم
لکھا ہے مرے خون سے عنوانِ تمنّا ۸۷

موجودہ ترکیب میں "عنوان" کا مضاف الیہ "مکتوب" ہے "تمنا" نہیں۔ شعر مہمل ہوگیا؟

جز داغ نہیں کوئی چراغِ سرِ تربت
سینہ ہے مرا گورِ غریبانِ تمنّا ۸۸

"گورِ غریباں" مطلق گورستان کے معنی میں صحیح نہیں، گورِ غریباں یعنی وہ جگہ جہاں مسافروں یا غریبوں کی ٹوٹی پھوٹی قبریں ہوں، اس لحاظ سے گورِ غریباں کو "تمنّا"

کی طرف مضاف کرنا غلط ہے اور شعر بے معنی۔

اک جان ہے وہ خیر سے وارفتۂ غم ہے
۸۹
اک دل ہے سو ہے سوختہ سامانِ تمنا

"خیر سے" مصرع اول میں بے محل استعمال ہوا ہے "خیر سے" یعنی ماشاء اللہ، ایسے موقع پر بولتے ہیں جہاں مذاق یا طنز مقصود ہو۔

کسی کے ایک اشارہ سے کس کو کیا نہ ملا
۹۰
بشر کو زیست ملی موت کو بہانہ ملا

پہلے مصرع میں "کیا نہ ملا" صحیح نہیں ایسے موقع پر "کیا نہیں ملا" بولتے ہیں۔

دعا گدائے اثر ہے گدا پہ تکیہ نہ کر
۹۱
کہ اعتمادِ اثر کیا ملا ملا نہ ملا

لفظ "اثر" کے ساتھ 'کرنا' 'ہونا' 'آنا' 'دینا'

استعمال ہوتا ہے "ملنا" نہیں۔

نشاں مہر ہے ہر ذرّہ ظرف مہر نہیں

خدا کہاں نہ ملا اور خدا کہیں نہ ملا ۹۲

"ظرف مہر" کی ترکیب بے معنی ہے، بجائے "ظرف" اگر "عین" ہوتا تو مصرع بامعنی ہو سکتا۔ دوسرے مصرع میں "اور" زائد ہے نیز "نہ" کے عوض دونوں جگہ "نہیں" چاہیے۔

تلاش خضر میں ہوں روشناس خضر نہیں

مجھے یہ دل سے گلا ہے کہ رہنما نہ ملا ۹۳

دل سے اس بات کا گلا ہو سکتا ہے کہ اس نے رہنمائی نہیں کی، لیکن رہنما نہ ملنے کا گلہ (دل سے) بے معنی ہے۔

ظہورِ جلوہ کو ہے ایک زندگی درکار

۹۴ کوئی اجل کی طرح دیر آشنا نہ ملا

"دیر آشنا" اُس شخص کو کہتے ہیں جو دیر میں بے تکلف ہو۔ (ایک زمانے کے بعد ملنے والا) دیر آشنا نہیں۔

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچۂ دل ہی چھوٹ گیا

۹۵ ساری امیدیں ٹوٹ گئیں دل بیٹھ گیا دل چھوٹ گیا

مصرع ثانی میں چونکہ "دل" کا لفظ آگیا ہے اس لیے مصرع اولیٰ میں "دل" کے عوض کوئی اور مناسب لفظ چاہیے۔

فصلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے

۹۶ کیا کوئی وحشی اور آپہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

"چھوٹ گیا" بصیغۂ ماضی کہنے سے یہ لازم آتا

ہے کہ درِ زنداں کھلا ہوا تھا اور قیدی چھوٹ گیا۔ حالانکہ شاعر یہ سوال کر رہا ہے کہ کیوں درِ زنداں کھلتا ہے؟ اس لیئے اقتضائے مقام یہ ہے کہ یوں کہے، کیا کوئی قیدی چھوٹ رہا ہے۔

وعدہ کی رات گردشِ افلاک رُک گئی
جب تم سے بن گئی تو زمانہ بگڑ گیا ۹۷

"زمانہ بگڑ گیا" نہیں بولتے، دنیا بگڑ گئی بولتے ہیں۔

ہوتا ہے آج فیصلہ امید و بیم کا
ٹُٹتا ہے اب وہ دل جو بسا اور اجڑ گیا ۹۸

اس شعر میں دل کی امید کو بسنے سے اور یاس کو اجڑنے سے تعبیر کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ دل میں کبھی امید اور کبھی یاس ہوتی ہے، اس مناسبت سے

بسا اور اجڑ گیا" صحیح نہیں، بصیغۂ ماضی استمراری
بستا تھا اور اجڑتا تھا' چاہیے۔

دل کی مفارقت کو کہاں تک نہ روئیے
۹۹
اللہ ایک عمر کا ساتھی بچھڑ گیا

"کہاں تک نہ روئیے" سے قطع نظر 'ایک عمر'
مدت العمر کے معنی میں صحیح نہیں، 'اک عمر'
چاہیے۔ جیسے ع

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک (غالب)

"دل کی مفارقت" بھی بے معنی ہے۔

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کیے بغیر
۱۰۰
کام ان کی بیقرار نگاہوں سے پڑ گیا

"کام پڑ گیا" صحیح نہیں، کام پڑنا بولتے ہیں
"کام پڑ جانا" نہیں کہتے۔

بدلا ہوا ہے آج مرے آنسوؤں کا رنگ

کیا دل کے زخم کا کوئی ٹانکا ادھڑ گیا ۱۰۱

"ٹانکا اُدھڑ گیا" صحیح نہیں، 'ٹانکا ٹوٹ جانا'
یا بلفظ جمع 'ٹانکے ادھڑ جانا' اردو میں مستعمل ہے۔

صیّاد یوں پروں میں گرہ باندھتے ہیں کیا

بیدرد و بند بند کسی کا جکڑ گیا ۱۰۲

"پروں میں گرہ باندھنا" بے معنی ہے، اردو میں
پر باندھنا بولتے ہیں۔

وہی برقِ تجلّی کارفرما اب بھی ہے لیکن

نگاہوں کو میسّر ہی نہیں بیہوش ہو جانا ۱۰۳

نگاہیں چکا چوند ہو سکتی ہیں، خیرہ ہو سکتی ہیں
بیہوش نہیں۔

خدا دشمن کو بھی یہ خواب محرومی نہ دکھلائے

۱۰۴

ادھر ایمائے پرسش اور ادھر خاموش ہو جانا

"ایمائے پرسش" یعنے وہ اشارہ جو کسی شخص کو کسی شخص کے احوال پرسی کے لیے کیا جائے جیسے ایمائے قتل، لیکن شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ اشارہ سے مزاج پرسی ہو رہی ہے، صحیح نہیں۔

ہمیں تیری محبت میں فقط دو کام آتے ہیں

۱۰۵

جو رونے سے کبھی فرصت ہوئی خاموش ہو جانا

لفظ "فقط" تخصیص، حصر و انحصار کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن یہاں "فقط" کی بجائے "یہی" لایا جاتا تو بہتر تھا، قطع نظر اس کے "خاموشی" کو کام سے تعبیر کرنا ایک مہمل سی بات ہے

خدا رکھے شرارِ عشق کو وہ شمع سوزاں ہوں
جلے جانا جسے ممکن ہے یا خاموش ہو جانا ۱۰۶

اس شعر میں "شمع سوزاں" سے مراد ذاتِ شاعر ہے اور وہ شرارِ عشق سے جل رہی ہے، اس لحاظ سے دوسرے مصرع کا یہ ٹکڑا "ممکن ہے خاموش ہو جانا" بے معنی ہے۔

مرقع تھا کسی کی ہستی موہوم کا فانیؔ
وہ اُن کا دیکھتے ہی دیکھتے روپوش ہو جانا ۱۰۷

"دیکھتے ہی دیکھتے روپوش ہو جانا" یعنے فوراً غائب ہو جانا۔ کیا خوب! معشوق ہے یا چھلاوا!!

تری ترچھی نظر کا تیر ہے مشکل سے نکلیگا
دل اس کے ساتھ نکلیگا اگر یہ دل سے نکلیگا ۱۰۸

دوسرا مصرع اگر یوں ہوتا تو بہتر تھا :-

ع دم اس کے ساتھ نکلیگا اگر یہ دل سے نکلیگا

اور لفظ " دل " کی تکرار کا عیب جو مخلِ فصاحت ہے، مٹ جاتا۔

شبِ غم میں بھی میری سخت جانی کو نہ موت آئی

۱۰۹ ترا کام اے اجل اب خنجرِ قاتل سے نکلیگا

لفظ " شب " کو غم کی طرف مضاف کرنے کے بعد " میں " کا لفظ اضافہ کرنا فصاحت کے خلاف ہے۔

دُوسرا مصرع بھی مہمل ہے چونکہ کام شاعر کا ہے اور کام سے مُراد شبِ غم سخت جانی کو موت آنا ہے اس لیے " ترا کام " کی جگہ پر " مرا کام " لایا جاتا تو مصرع بامعنی ہوتا۔

تصور کیا مزا آیا قیامت آ گئی دل میں
۱۱۰ کہ اب ہر ولولہ باہر مزارِ دل سے نکلیگا

ولولے دل سے نکلینگے یا مزارِ دل سے ؟
قیامت کا دل میں در آنا بھی، قیامت ہے !

کہاں تک کچھ نہ کہیے اب تو نوبت جان تک پہنچی
۱۱۱ تکلف برطرف اے ضبطِ نالہ دل سے نکلیگا

"دعا دل سے نکلیگی" تو کہتے ہیں، لیکن "نالہ دل سے نکلیگا" نہیں کہتے نیز مصرع ۲ دل کا کیا کہنا !

کیا سوال تو آواز بازگشت آئی
۱۱۲ جواب مجھ سے طلب ہے مرے سوالوں کا

پہلے مصرع میں لفظ "سوال" بلفظ واحد لایا گیا ہے۔ اس لیے دوسرے مصرع میں "سوالوں" جو بہ عدد جمع استعمال ہوا ہے، درست نہیں،

نیز طلب بمعنی مطلوب غلط ہے۔

تعینات کی حد سے گذر رہی ہے نگاہ
۱۱۳
بس اب خدا ہی خدا ہے نگاہ والوں کا

"نگاہ والا" صحیح نہیں، اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے اردو میں آنکھ والا مستعمل ہے۔

کسی کے غم کی کہانی ہے زندگی فانی
۱۱۴
زمانہ ایک فسانہ ہے مرنے والوں کا

مصرعوں میں معنوی ربط نہیں "کسی کے" کی بجائے پہلے مصرع میں "غم و الم" چاہیے۔

مژدۂ تسکین سے بیتابی کے قابل ہوگیا
۱۱۵
دل پہ جب تیری نگاہیں جم گئیں دل ہوگیا

"نگاہ جم جانا" صحیح نہیں نگاہ جمنا مستعمل ہے، اسی طرح دل، دل ہوگیا، بھی بے معنی ہے۔

موت آنے تک نہ آئے اب جو آئے ہو تو ہائے
زندگی مشکل ہی تھی مرنا بھی مشکل ہو گیا ۱۱۶

"موت آنے تک نہ آئے" یعنے قضا آنے کے بعد آئے، اس موقع پر یہ کہنا کہ "مرنا بھی مشکل ہو گیا" بے معنی ہے۔

کر کے دل کا خون کیا بیتا بیاں کم ہو گئیں
جو لہو آنکھوں سے دامن پر گرا دل ہو گیا ۱۱۷

"دل خون ہونا" دل خون کرنا، اردو میں مستعمل ہے "دل کا خون کرنا" صحیح نہیں نیز دو مصرعوں میں اتنے "ک" آ گئے ہیں کہ شعر خاصا کافستان بن گیا ہے۔

درد فرقت کی خلش وابستۂ انفاس تھی
۱۱۸
مدعائے زندگانی مر کے حاصل ہو گیا

مصرعِ ثانی کی ترکیب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مرنے والا شاعر نہیں ہے بلکہ مدعائے زندگانی ہے۔

سن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی
۱۱۹
آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا

لفظ "کوئی" کی تکرار مفید معنی نہیں اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نام سنکر آنکھیں کھول دینے والا اور ہے! اور نام لے کر غافل ہونے والا اور!!

ہم کو مرنا بھی میسر نہیں جینے کے بغیر
۱۲۰
موت نے عمر دوروزہ کا بہانہ چاہا

لفظ "بہانہ" کے ساتھ کرنا، لانا، بنانا، چلنا،

رکھنا، ڈھونڈنا، استعمال ہوتا ہے "چاہنا" نہیں۔

جلوہ محسوس سہی آنکھ کو آزاد تو کر
قید آداب تماشا بھی تو محفل سے اٹھا ۱۲۱

"آزاد کرنا" رہا کرنا، چھوڑنا، قید سے رہا کرنا کے معنی میں مستعمل ہے، یہاں "آنکھ کو آزاد تو کر" کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟ نیز "بھی تو" کا کیا کہنا!

ہوش جب تک ہے گلا گھونٹ کے مرجائیگا
دم شمشیر کا احساں ترے بسمل سے اٹھا ۱۲۲

دوسرے مصرع میں "اٹھا" ردیف بصیغۂ ماضی ہے، اس لیے مصرع اولیٰ میں "ہے" کی عوض "تھا" چاہیے۔

موت ہستی پہ وہ تہمت ہے کہ آساں اٹھی

۱۲۳ زندگی مجھ پہ وہ الزام کہ مشکل سے اُٹھا

"تہمت اُٹھنا" "الزام اُٹھنا" دونوں غلط۔

عمر امید کے دو دن بھی گراں تھے ظالم

۱۲۴ بار فردا نہ ترے وعدۂ باطل سے اُٹھا

لفظ "عمر" کو "امید" کی طرف مضاف کرنا بے معنی ہے۔

اختیار ایک ادا تھی مری مجبوری کی

۱۲۵ لطف سعی عمل اس مطلب باطل سے اُٹھا

"لطف اٹھنا" صحیح نہیں "لطف اُٹھانا" بولتے ہیں۔

پھر تو مضراب جنوں سازِ انا لیلےٰ چھیڑ
ہائے وہ شور انا القیس کہ محمل سے اٹھا ۱۲۶

"شور اٹھا" تو بولتے ہیں جیسے ع :-
اک شور اٹھا، گورِ غریباں میں لگی آگ (اسیر)

لیکن "محمل سے شور اٹھا" صحیح نہیں۔

کس کی کشتی تہِ گرداب فنا جا پہنچی
شورِ لبیک جو فانی لبِ ساحل سے اُٹھا ۱۲۷

"لب سے شور اٹھا" صحیح نہیں۔

نذرِ دردِ دل غمِ دنیا کیا
اک مٹایا داغ اک پیدا کیا ۱۲۸

ظاہر ہے کہ شاعر نے غمِ دنیا کو نذرِ دردِ دل کر دیا یعنی عشق میں دنیا کو بھلا دیا، گویا دنیا کا غم جو ایک داغ سا تھا مٹ گیا، اس لحاظ سے

دوسرے مصرع میں "اک پیدا کیا" بے معنی ہے۔

ہے شانِ عبودیت مصروفِ دُعا ہونا
۱۲۹
منظورِ مشیت تھا ہر نالہ رسا ہونا

مصرعِ ثانی مہمل ہے "ہر نالہ رسا ہونا" صحیح نہیں، 'ہر نالہ کا رسا ہونا' چاہیے۔

جہان جاں میں نہیں یادِ یار دل میں نہیں
۱۳۰
جمالِ یار کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

پہلے مصرع کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں "نہ ہوا" ردیف صحیح نہیں، "نہ ہوا" کے عوض "نہیں ہے" چاہیے۔

ہر آن فتنہ ہے ہر فتنہ اک قیامت ہے
۱۳۱
ترا شباب ہوا دورِ آسمان نہ ہوا

"آن" کا لفظ جان کے وزن پر مستعمل ہے۔

جیسے :-

ع اک آن ستمگر میں ہر آن نکلتی ہے (داغ)

ہمیں ابھی ترے اشعار یاد ہیں فانی

ترا نشاں نہ رہا اور بے نشاں نہ ہوا ۱۳۲

"بے نشاں نہ ہوا" کس کی خبر ہے ؟ یہ واضح نہیں" اس لیے مصرع ثانی میں بے نشاں نہ ہوا سے پہلے ضمیر مخاطب "تو" لانا چاہیے۔

وہ جلوہ مفتِ نظر تھا نظر کو کیا کہیے

کہ پھر بھی ذوق تماشا نہ کامیاب ہوا ۱۳۳

"مفتِ نظر" اضافت کے ساتھ اور اضافت کے بغیر دونوں طرح بے معنی ہے۔

ملا ازل میں مجھے میری زندگی کے عوض
۱۳۴
وہ ایک لمحۂ ہستی جو صرف خواب ہوا

پہلے مصرع میں لفظ "مجھے" ہوتے ہوئے "میری" کی ضرورت نہیں یا "مجھے" رہے یا "میری"۔

ہل گیا زنداں بُرا ہو نالۂ شبگیر کا
۱۳۵
چونک اُٹھا گھبرا کے ہر حلقہ مری زنجیر کا

"چونک اٹھنا" یعنی گھبرا کر اُٹھنا، اس لحاظ سے مصرع ثانی میں "گھبرا کے" زائد ہے۔

فکرِ راحت چھوڑ بیٹھے ہم تو راحت مل گئی
۱۳۶
ہم نے قسمت سے لیا جو کام تدبیر کا

"چھوڑ بیٹھنا" صحیح نہیں ترک کرنے کے معنی میں "چھوڑنا" مستعمل ہے۔

آپ کی آزردگیٔ بے سبب بھی خوب ہے
کیا مزے کا ہے تقاضا عذر بے تقصیر کا ١٣٧

لفظ "آزردگی" میں "ی" کو مشدد لانا منافی فصاحت ہے۔

میرے دل سے پوچھتے ہیں آپ کیا وجہ خلش
یاد ہے گُم ہو گیا تھا کوئی پیکاں تیر کا ١٣٨

لفظ "کوئی" کا استعمال اس وقت صحیح ہوتا جبکہ ایک تیر کے کئی پیکاں ہوتے۔

وصال تیرا خیال تیرا جو ہو تو کیونکر نہ ہو تو کیونکر
نہ تجھ پہ کچھ اختیار دل کا نہ دل پہ کچھ اختیار میرا ١٣٩

"وصال تیرا ہو تو کیونکر ہو" یہ ترکیب صحیح نہیں، تجھ سے وصال ہو تو کیونکر ہو، چاہیے۔

قدم نکال اب تو گھر سے باہر جو دم بھی سینے سے سہل نکلے
۱۴۰ دکھا نہ اب انتظار اپنا لحد کو ہے انتظار میرا

"منتظر رہنا" کے معنی ہیں "انتظار دیکھنا" صحیح نہیں اُردو میں "راہ دیکھنا" مستعمل ہے۔

سنا ہے اٹھا ہے اک بگولہ جلو میں کچھ اندھوں کو لیکر
۱۴۱ طواف دشت جنوں کو شاید گیا ہے فانی غبار میرا

"غبار" بمعنی گرد، دھول۔ مجازاً ملال، کدورت۔ دوسرے مصرع میں کیا معنی مراد ہیں؟

اٹھتی نہیں ہے تہمت نظارۂ جمال
۱۴۲ منھ دیکھتا ہوں جلوۂ نظارہ ساز کا

"تہمت" کا لفظ رکھنا، لگانا، جوڑنا کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، "اٹھنا" کے ساتھ نہیں۔

مرے شوق نے سکھایا اُسے شیوۂ تغافل
نہ مجھے نیاز ہوتا نہ وہ بے نیاز ہوتا ۱۴۳

مصرع ثانی مہمل ہے "نیاز ہونا" صحیح نہیں، "نیاز حاصل ہونا" بولتے ہیں۔

چار زنجیر عناصر پہ ہے زنداں موقوف
وحشتِ عشق ذرا سلسلہ جنباں ہونا ۱۴۴

عناصر کو زنجیر کس اعتبار سے کہا گیا ہے؟ وجہِ شبہ واضح نہیں۔

دے ترا حسن تغافل جسے جو چاہے فریب
ورنہ تو اور جفاؤں پہ پشیماں ہونا ۱۴۵

مصرع اولیٰ میں "جو" کا لفظ مخل معنی ہے۔

وہ قیامت اٹھائے پھرتے ہیں

۱۴۶ آسماں آج زیرِ پا نہ ہوا

"قیامت اُٹھانا" تو صحیح ہے، لیکن قیامت اٹھائے پھرنا صحیح نہیں۔

کیا بلا تھی ادائے پرسشِ یار

۱۴۷ مجھ سے اظہارِ مدعا نہ ہوا

پہلے مصرع کے لحاظ سے دوسرے مصرع میں ردیف "نہ ہوا" صحیح نہیں، "نہ ہوسکا" چاہیے۔

پھر دلِ بیتاب ہے آرام جانِ اضطراب

۱۴۸ پھر تمنا ہے کسی کی میہمانِ اضطراب

پہلے مصرع میں ردیف مفید معنی نہیں "جانِ اضطراب" کے عوض "جانِ مضطرب"

ہوتا تو مصرع بامعنی ہوسکتا۔

وقتِ عرض حالِ دل اس فکر نے مارا مجھے
کیجیے آغاز کیونکر داستانِ اضطراب ۱۴۹

"فکر نے مارا مجھے" صحیح نہیں، مار ڈالا چاہیے، یعنی ہلاک کر دیا، برباد کر دیا، تباہ کر دیا وغیرہ۔

کب سے آغوشِ لحد میں ہم ہیں سرتا پا فرار
وہ ستم پرور ہے اب تک بدگمانِ اضطراب ۱۵۰

"فرار" یعنے بھاگنا، یہاں "سرتا پا فرار کے کیا معنی ہیں؟ اگر آمادۂ فرار مراد ہے تو کہاں بھاگنے کا ارادہ ہے؟

مجھ کو مضطر دیکھکر ان کو حجاب آنے لگا
ہو چلی ہیں وہ نگاہیں رازدانِ اضطراب ۱۵۱

"ہو چلی ہیں" فصحا نہیں بولتے، ہوتی چلی ہیں

چاہیے۔

اضطراب دل کے شکووں نے کیا اُلٹا اثر
۱۵۲
بے نیاز نطق ہے گویا زبانِ اضطراب

پہلے مصرع کا مطلب تو صاف ہے یعنی شکووں کا اُلٹا اثر ہوا لیکن اس اثر کو بے زبانی کا نتیجہ قرار دینا صحیح نہیں بلکہ یہ نتیجہ "زبانِ اضطراب" کی کج مج بیانی کا ہے اس لیے مصرع ثانی میں لفظ "بے نیاز" مخل معنی ہے۔ "بے نیاز" کی جگہ "نا آشنا" لایا جاتا تو شعر با معنی ہوتا۔

اشک اک اک کر گئے سب آوارۂ دامن ہوئے
۱۵۳
رفتہ رفتہ مٹ گیا نام و نشان اضطراب

"اک اک کرکے" یعنے رفتہ رفتہ چونکہ دوسرے مصرع میں رفتہ رفتہ موجود ہے اس لیے پہلے مصرع

ہیں "اک اک کرکے" زائد ہے۔

بس اک آہ جہاں سوز کے اثر تک ہیں
یہ خار برق قفس دام آسماں صیاد ۱۵۴

مصرع ثانی میں قفس، دام، آسماں، صیاد، کو ایک حد تک مناسبت ہے، اس لیے کہ آسماں نے صیاد کے ذریعہ سے دام میں گرفتار کیا اور قفس میں ڈالا، لیکن "خار برق" کو اسیری کی شکایت سے کیا تعلق؟

نکل ہی جائینگے نالے دہن سے خوں ہو کر
زباں نہیں تو کھلیگی رگِ زباں صیادؔ ۱۵۵

"مصرع اولیٰ مہمل ہے" نالوں کا خون ہو کر دہن سے نکل جانا" مضحکہ خیز ہے۔

حیراں ہوں رنگ عالم تصویر دیکھ کر
۱۵۶ کیا یاد آگیا مجھے زنجیر دیکھ کر

"عالم تصویر" یعنے "منظر حیرت" اس کو زنجیر سے کیا ربط؟

کر نہ فریاد خموشی میں اثر پیدا کر
۱۵۷ درد بنکر دل بیدرد میں گھر پیدا کر

"گھر پیدا کرنا" غلط ہے، اس موقع پر گھر کرنا کہتے ہیں۔

تہ میں جا سطح سے تو قطع نظر کر کر دیکھ
۱۵۸ قطرے قطرے میں سمندر ہے نظر پیدا کر

پہلا مصرع ضعف نظم کا اک نمونہ ہے نیز "کر کر" کی فصاحت تعریف سے مستغنی۔

جتنے غم چاہے دیے جا مجھے یا رب لیکن
ہر نئے غم کے لیے تازہ جگر پیدا کر ۱۵۹

اگرچہ "تازہ" کا لفظ کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن جگر کے ساتھ استعمال ہونے کی وجہ سے سامع کا ذہن لفظ "باسی" کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو تازہ کی ضد ہے یعنے تازہ کلیجی۔

عشق عشق ہو شاید حسن میں فنا ہو کر
انتہا ہوئی غم کی دل کی ابتدا ہو کر ۱۶۰

پہلا مصرع مہمل ہے کیونکہ حسن میں فنا ہونا ہی عین عشق ہے اس لیے "عشق عشق ہو شاید" کہنا بے معنی ہے، علیٰ ہذا دوسرے مصرع کا دوسرا ٹکڑا "دل کی ابتداء ہو کر" بھی لغو!

دل ہمیں ہوا حاصل درد میں فنا ہو کر
۱۶۱
عشق کا ہوا آغاز غم کی انتہا ہو کر

"دل ہوا حاصل" سے قطع نظر "غم کی انتہا ہو کر عشق کا آغاز ہوا" کیا معنی ؟

بندہ خدائی ہے مدعی خدائی کا
۱۶۲
بندے نے خدائی کی بندۂ خدا ہو کر

یہ شعر لفظی رعایتوں کا بے معنی ذخیرہ ہے قطع نظر اس کے لفظ "خدائی" دنیا جہان کے معنی میں اردو کا لفظ ہے، اس کو فارسی کی اضافت صحیح نہیں۔

بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے مرتے ہیں نہ جیتے ہیں
۱۶۳
درد پر خدا کی مار دل میں رہ گیا ہو کر

مصرع اول کے حسنِ بندش سے قطع نظر،

درد سے مراد آیا دردِ محبت ہے یا کوئی اور..... درد؟
اگر دردِ محبت مراد ہے تو اس پر خدا کی مار کیوں؟

عمر خضر کے انداز ہر نفس میں پاتا ہوں
زندگی نئی پائی آپ سے جدا ہو کر ۱۶۴

"انداز" کو "عمر" کی طرف مضاف کرنا بے معنی ہے۔

عشق سے ہوئے آگاہ صبر کی بھی حد دیکھی
خاک میں ملا دو گے دیر آشنا ہو کر ۱۶۵

"حد دیکھی" صحیح نہیں، اردو میں حد ہو گئی مستعمل ہے

اور بندے ہیں جن کو دعوئے خدائی ہے
تھی ہماری قسمت میں بندگی خدا ہو کر ۱۶۶

پہلے مصرع میں "اور بندے ہیں" صحیح نہیں ایسے موقع پر اردو میں "وہ بندے اور ہیں" بولتے ہیں۔

نامراد رہنے تک نامُراد جیتے ہیں
۱۶۷
سانس بن گیا ایک ایک نالہ نارسا ہوکر

حُسنِ بندش کا تو ذکر ہی کیا ؟ باہم مصرعوں میں معنوی ربط بھی نہیں ؟ بقول شخصے ایک گندھی ہے ایک مولوی ؟

روح ارباب محبت کی لرز جاتی ہے
۱۶۸
تو پشیمان نہ ہو اپنی جفا یاد نہ کر

"رُوح لرز جانا" صحیح نہیں، روح کے ساتھ تھرّانا، کانپنا، استعمال ہوتا ہے۔

دل کی حد سے اثر زیست نہ گذرے فانی
۱۶۹
ہوش لازم ہے مگر ہوش کو آزاد نہ کر

آزاد کرنا یعنے رہا کرنا، موقوف کردینا، نکال دینا، یہاں کیا معنی مُراد ہیں ؟ اور اس کو "ہوش" سے

کیا تعلق ؟

نیز مصرع اولی میں "دل کی حد" اور "دل کی حد سے اثر زیست گزرنا" مضحکہ خیز ہے۔

دُور لے جا ہٹا کے سرحدِ ناز
دل ہے آوارۂ حدودِ نیاز ۱۷۰

"سرحد" بمعنی حد فاصل، کنارہ، انتہا وغیرہ اس کے متعلق "دور ہٹا" کہنا ہی کافی ہے۔ "لیجا" کا لفظ جو استعمال کیا گیا ہے صحیح نہیں، کیونکہ اس کا اطلاق عموماً اس شئے پر ہوتا ہے جو منتقل ہونے کے قابل ہو۔

ہوں اسیرِ فریبِ آزادی
پر ہیں اور مشق حیلۂ پرواز ۱۷۱

دوسرے مصرع میں لفظ "حیلہ" غالباً

اس لیے لایا گیا ہے کہ مصرع اول میں لفظ "فریب" آگیا ہے، ورنہ لفظ "حیلہ" کو مصرع سے کوئی معنوی ربط نہیں ہے، اس لیے کہ اڑنے کی کوشش کرتے ہیں نہ کہ حیلہ، بہانہ -

ہاں شبِ ہجر آج صبح نہ ہو
۱۷۲
ہاں چلی جائے یاد زلف دراز

اگرچہ "چلے جانا" جاری رہنا، کے معنی میں بھی مستعمل ہے، لیکن یہاں پہلے مصرع میں "نہ ہو" کے الفاظ ہونے کی وجہ سے سامع کا ذہن "چلی جائے" یعنے روانہ ہو جائے کی طرف منتقل ہوتا ہے -

دھیان تیرا بہشتِ شوق سہی
۱۷۳
دل عاشق ہے ایک دوزخ راز

شاعر نے پہلے مصرع میں معشوق کے دھیان کو

"بہشتِ شوق" سے تعبیر کیا ہے یعنے جس طرح اہل ایمان کو بہشت میں آسایش نصیب ہوگی اسی طرح شوق کو بھی معشوق کے دھیان میں آرام و راحت ملتی ہے۔

"بہشت شوق" کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں "دوزخ راز" کے معنی یہی ہونگے کہ جس طرح گنہگاروں کو دوزخ میں عذاب ہوگا اسی طرح "رازِ عشق" کو عاشق کے دل میں عذاب ہوتا ہے کیا خوب۔

راس آئے ہیں اشک وآہ کسے
کرنہ آب و ہوائے غم سے ساز ۱۷۴

"ساز کرنا" یعنے میل جول کرنا، سازش کرنا اس لحاظ سے "آب و ہوا" کے ساتھ "ساز" کا لفظ استعمال کرنا مضحکہ خیز ہے۔

ہم ہیں اور عزم آشیاں یعنی
۱۷۵
رہ گئی دُور طاقت پرواز

"طاقت دُور رہجانا" بے معنی ہے اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے اردو میں طاقت کا جواب دینا، طاقت جاتی رہنا، یا طاقت طاق ہونا مستعمل ہے۔

آپ ہی اپنی آڑ میں تو ہے
۱۷۶
تو حقیقت ہے اور تو ہی مجاز

توازن کے لحاظ سے دوسرے مصرع میں لفظ "حقیقت" سے پہلے "ہی" ہونا چاہیے۔

دیکھیے کیا ہو عشق کا انجام
۱۷۷
دل کی ہستی ہے موت کا آغاز

دوسرے مصرع کا یہ ٹکڑا "موت کا آغاز" بے معنی

۱۶۱۱۰۵

ہے اگر لفظ "موت" کی جگہ نزع کا لفظ ہوتا تو مصرع
بامعنی ہو سکتا۔

ہے کہ فانی نہیں ہے کیا کہیے
راز ہے بے نیاز محرم راز ۱۷۸

موجودہ ترکیب میں "نہیں ہے" کا مبتدا
فانی واقع ہوا ہے جو صحیح نہیں، اقتضائے مقام
یہ ہے کہ "راز" کا لفظ مبتدا ہوتا اور "فانی"
کا لفظ منادیٰ؟

دل چرا کر نگاہ ہے خاموش
ہوش اور مست ہو کے اتنا ہوش ۱۷۹

شاعر نے "نگاہ" کو "خاموش" کہا ہے، گویا
دل چرانے سے پہلے "نگاہ" شوروشیوں
کرتی تھی۔

شاید اب منزلِ عدم ہے قریب
۱۸۰
یادِ خاکِ وطن ہے طوفاں جوش

"طوفاں جوش" یعنے جس کا جوش طوفان ہو، یا طوفان کے جوش والا، دونوں صورتوں میں مصرع ثانی بے معنی ہے۔

برہم ہے میری ذات سے سارا نظامِ عشق
۱۸۱
ٹوٹا ہے میرے عہد میں نیرنگِ نامِ عشق

"نیرنگ" بمعنی طلسم سہی، لیکن اردو میں طلسم ٹوٹنا بولتے ہیں، نیرنگ ٹوٹنا نہیں کہتے۔

گلشن صلائے عامِ اسیری ہے سربسر
۱۸۲
پھیلا دیا بہار نے پھولوں پہ دامِ عیش

"دام پھیلا دینا" صحیح نہیں اردو میں دام بچھانا بولتے ہیں۔

اب احتیاج شکوۂ اختر نہیں مجھے
۱۸۳
مینائے خون عیش سے بھرتا ہوں جام عیش

مطلق لفظ "اختر" بخت کے معنی میں استعمال کرنا درست نہیں۔

کچھ نہ وحدت ہے نہ کثرت نہ حقیقت نہ مجاز
۱۸۴
یہ ترا عالم مستی وہ ترا عالم ہوش

مصرع اولیٰ میں چار چیزیں بیان کی گئی ہیں، وحدت، کثرت، حقیقت، مجاز، اور مصرع ثانی میں صرف دو عالم کا ذکر ہے یعنے عالم مستی اور عالم ہوش، اگر مجاز کو عالم مستی سے تعبیر کریں اور حقیقت کو عالم ہوش سے، تو وحدت اور کثرت زائد رہ جاتے ہیں، اس کے برعکس اگر مستی اور ہوش کو کثرت اور وحدت سے تعبیر کریں تو

حقیقت اور مجاز غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔

عدمِ ہوش پہ ہے فطرتِ ہستی مائل

۱۸۵ کس توقع پہ اٹھائے کوئی نازِ غمِ ہوش

"عدم ہوش" یعنے ہوش کی نیستی، یا ہوش کا نہ ہونا، اس لحاظ سے مصرع اولی کے یہ معنی ہوئے کہ فطرت ہوش کی نیستی پر مائل ہے، لیکن جب ہوش کا وجود ہی ثابت نہ ہو تو پھر اس کے نہ ہونے پر مائل ہونے کے کیا معنی ؟

عجب اک سانحۂ ہوش ربا تھی وہ نگاہ

۱۸۶ ہیں ہوں اک عمر سے فانی ہمہ تن ماتمِ ہوش

مطلق "نگاہ" کو سانحہ کہنا صحیح نہیں، اگر یہ کہا جاتا کہ اس کا نگاہ ڈالنا اک سانحہ تھا تو مصرع با معنی ہوتا۔

پہلے اجل کو رخصتِ تلقین صبر دے

پھر آخری نگاہ سے سن داستانِ داغ ۱۸۷

"رخصت" بمعنی مہلت اجازت مصرع اولیٰ میں لفظ رخصت مخل معنی ہے اگر اجل کو تلقین کی اجازت دی گئی تو تلقین پانے والا کون؟ حالانکہ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ اجل کو تلقین (نصیحت) کر تاکہ قبض روح میں تامل ہو اور شاعر جو عالم نزع میں ہے "داستان داغ" سنا سکے!!

اے عشق خاک دل پہ ذرا مشق فتنہ کر

پیدا کر اس زمیں سے کوئی آسمان داغ ۱۸۸

فتنے برپا کرنے کی مشق کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے "مشق فتنہ کر" کی ترکیب بے معنی ہے۔
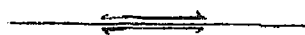
سارا ملال پیار کی نظروں سے مٹ گیا
۱۸۹
ان رہزنوں نے لوٹ لیا کاروانِ داغ

کاروانِ داغ "لٹنے سے داغوں کا مٹ جانا ثابت نہیں ہوتا، ایسی صورت میں "سارا ملال مٹ گیا" کہنا بے معنی ہے۔

وہ تیری بزم تھی نہ ملی جس میں چپ کی داد
۱۹۰
یہ حشر ہے یہاں تو کھلیگی زبانِ داغ

"کھلیگی زبانِ داغ" بے معنی ہے اس لیے کہ "زبان داغ" حقیقتاً صحیح ہے نہ استعارتاً صحیح ہے۔

شمع ہوں بے نیاز ظلمت و نور
۱۹۱
آئینہ ہوں بغیر صیقل و زنگ

شمع جو بے نور ہو اور آئینہ جو بے صیقل ہو اس کا کیا کہنا ؟

دل ہے اور سحر سازیٔ ادراک
آنکھ ہے اور فریبِ گردشِ رنگ ۱۹۲

"گردشِ رنگ" مطلق رنگ کا تغیر، گردش رنگ کہہ کر تغیرِ رنگ روزگار مراد لینا صحیح نہیں۔

کیا کہیں کیوں خاموش ہوئے سُن کے تیری فرقت کی خبر ہم
نالۂ دل کے جھنّنے تھے اجزا، ہوگئے سارے درہم و برہم ۱۹۳

"مصرعِ اولی میں لفظ "فرقت" اس وقت با معنی ہو سکتا ہے جبکہ اس سے معشوق کی فرقتِ دائمی یعنے وفات مراد لی جائے۔

گو بیٹھے بھی اٹھے بھی ہم محفلِ دشمن میں تیری خاطر
بیٹھ گئے دل زار کی صورت اٹھے صورتِ دردِ جگر ہم ۱۹۴

مصرعِ ثانی میں "اُٹھے" کی مناسبت سے دلِ زار کی صورت "بیٹھے" چاہیے "بیٹھ گئے" صحیح نہیں۔

ڈوب ہی جائے کشتی ہستی کچھ تو ہو آخر ورنہ کہاں تک

۱۹۵ بحر تلاطم خیز جہاں میں یوں ہی رہینگے زیر و زبر ہم

پہلے مصرع کی بندش کا تو ذکر ہی کیا؟ لیکن "زیر و زبر" کے ساتھ کرنا' ہونا' استعمال ہوتا ہے "رہنا" نہیں۔

کوئی گھڑی اے بیخودیٔ غم دم لینے دے سنبھلنے دے

۱۹۶ آ کوئی دم اے ہوش کہ تجھ سے پوچھینگے اپنی خبر ہم

پہلے مصرع کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں "پوچھینگے" (مستقبل) صحیح نہیں پوچھیں (مضارع) چاہیے۔

گھڑیاں اپنی عمر کی ہم نے غنچوں میں چل پھر کے گذاریں

۱۹۷ آئے تھے فانیؔ باغ جہاں میں گویا مثل نسیم سحر ہم

مصرع ثانی میں "باغ جہاں" کی عوض صرف باغ کا

ذکر ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ مصرع اولیٰ میں غنچوں سے
مُراد حقیقی غنچے ہیں جو درخت گل پر ہوتے ہیں،
چونکہ شاعر نے باغ جہاں کا ذکر کیا ہے اس مناسبت
سے غنچوں کے عوض غنچہ دہن وغیرہ الفاظ لائے
جاتے تو شعر با معنی ہوتا۔

ہو غمِ ہستیٔ جاوید گوارا کیونکر
جان کیا دیں کہ بہت جان سے بیزار ہیں ہم ۱۹۸

یہ کہنا "جان سے بیزار ہیں ہم" جان نہ دینے کی
علت کیونکر ہو سکتا ہے؟

میں نے گویا صلۂ مہر و وفا بھر پایا
کاش اتنا ہی وہ کہدیں کہ خطا کار ہیں ہم ۱۹۹

"بھر پانا" عموماً اس موقع پر استعمال ہوتا ہے،
جب کوئی چیز کسی شخص کو دی جائے اور بعد میں

کُل وصول ہو جائے، "صلہ" تو ایسی چیز نہیں ہے جو کسی کو دی جائے اور پھر کوڑی کوڑی وصول ہو جائے۔

تیرے گھر کی زمیں ارے توبہ
۲۰۰ ذرّہ ذرّہ ہے آسماں انجام

"آسماں انجام" یعنے وہ جس کا انجام آسمان ہو، یا آسمان کے انجام والا، دونوں صورتوں میں مصرع بے معنی ہے۔

کم نہ تھی عمر اک نظر کے لیے
۲۰۱ عشق تھا مرگ ناگہاں انجام

عشق مرگ ناگہاں انجام تھا، بے معنی ترکیب ہے۔

دعا تو خیر دعا سے امید خیر بھی ہے

۲۰۲

یہ مدعا ہے تو انجام مدعا معلوم

مصرع ثانی سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ "مدعا" کیا ہے؟ شاید اسی کو المعنی فی بطن الشاعر کہتے ہیں۔

ہوا نہ راز رضا فاش وہ تو یہ کہیے

۲۰۳

مرے نصیب میں تھی ورنہ سعی نامعلوم

لفظ "سعی" کو نامعلوم کی طرف مضاف کرنا بے معنی ہے۔

یہاں بھی ہے دل آگاہ وقف لذت درد

۲۰۴

خراب مستیٔ عیش خمار ہم بھی ہیں

مصرع ثانی کی ترکیب مہمل ہے' خراب خمار عیش' یا خراب مستیٔ عیش' کہنا چاہیے۔

نہ دن کو چپ ہیں نہ راتوں کو تیری طرح اداس

۲۰۵ جلے ہوئے تو چراغِ مزار ہم بھی ہیں

"چراغِ مزار" کے متعلق یہ کہنا کہ وہ راتوں کو اُداس رہتا ہے، ایک حد تک درست ہے لیکن "چراغِ مزار" کا دن کو چُپ رہنا کیا معنی؟ شاید بزعم شاعر "چراغِ مزار" بولتا بھی ہے!

کسی کی بزمِ طرب میں کچھ ایک شمع نہیں

۲۰۶ حریفِ گریۂ بے اختیار ہم بھی ہیں

مصرع اولیٰ میں لفظ "کچھ" زائد ہے، دوسرے مصرع میں چونکہ "بھی" کا لفظ آگیا ہے اس لیے پہلے مصرع میں لفظ "شمع" کے بعد "ہی" کلمۂ حصر لانا چاہیے۔

حجاب ہوش اٹھا اب کوئی حجاب نہیں
۲۰۷ خیالِ یار سے اب ہمکنار ہم بھی ہیں

دُوسرے مصرع میں ردیف "ہم بھی ہیں" مفید معنی نہیں، اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یار سے ہمکنار کوئی اور بھی ہے!

امید مرگ ہے باقی تو نا امید نہیں
۲۰۸ کہ اپنی وضع کے امیدوار ہم بھی ہیں

"امید باقی ہے" سے قطع نظر "اپنی وضع کے امیدوار" سے کیا مراد ہے؟

جنوں نے دی ہیں راحت وگرنہ اے فانیؔ
۲۰۹ نشانۂ الم روزگار ہم بھی ہیں

پہلے مصرع میں بصیغۂ ماضی یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنوں نے راحت دی، اس مناسبت سے

ردیف" ہیں" صحیح نہیں "تھے" چاہیے۔

فصل خبر بڑھا گئی عمر کے باب راز ہیں

۲۱۰

یاد وصال مختصر ہل کے شب دراز ہیں

"وصال مختصر" یعنے چہ...... تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔

عالم درد کا نظام آکے ذرا الٹ نہ دو

۲۱۱

عشق سے فرق آگیا حسن کے امتیاز ہیں

یہ واضح نہیں کہ یہاں "امتیاز" کس معنی میں استعمال ہوا ہے، اگر اس سے مراد مرتبہ اور نشان ہے تو اس سے حسن کی توہین لازم آتی ہے جو منافی عشق ہے، اگر شناخت اور پہچان کے معنی لیے جائیں تو مصرع کے یہ معنی ہونگے کہ عشق کی وجہ سے عاشق حسن کی شناخت

نہ کر سکا، حالانکہ عاشق سے بڑھکر حُسن کی شناخت
اور کون کر سکتا ہے۔

چشم براہِ یار ہوں منتظرِ فشار ہوں
سبزۂ رہ گذار ہوں عالمِ عرض ناز ہیں ۲۱۲

"سبزۂ رہ گذار" تو پامال ہو سکتا ہے، لیکن
"فشار" رہ گذار پر نہیں لحد میں ہو سکتا ہے۔

بے اثری مجھے قبول ایسے اثر کو کیا کروں
اب تو خدا اثر نہ دے آہ اثر گداز ہیں ۲۱۳

مصرع اولیٰ میں لفظ "ایسے" مفید معنی
نہیں اس لیے کہ وہ اثر جس کی طرف اشارہ کیا گیا
ہے اس کا کہیں ذکر ہی نہیں نیز آہ کی صفت
"اثر گداز" مہمل ہے۔

چارہ شبِ فراق کا شکر نہیں تو کچھ نہیں
۲۱۴
بوئے مزاجِ یار ہے نبض بہانہ باز ہیں

"چارہ" سے قطع نظر مصرع ثانی میں "بہانہ باز" ہونے کی وجہ سے بوئے مزاج کی عوض خوئے مزاج زیادہ مناسب تھا، "بو" اِس موقع پر کہنا درست نہیں اُردو میں "خوبو" مستعمل ہے۔

جلوۂ اختیار سے نسبت جبر ہے مجھے
۲۱۵
شعلۂ آرمیدہ ہوں وادیٔ برق ناز ہیں

"ناز" کو برق سے تعبیر کرنا درست سہی! لیکن وادیٔ برق ناز اور خود کو وادیٔ برقِ ناز کا شعلہ کہنا مضحکہ خیز ہے۔
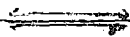
فانیِ زار کا ہوا خیر سے خاتمہ بخیر
عمر تمام ہو گئی عشق کے سوز و ساز میں ۲۱۶

"خیر سے" دو معنی میں مستعمل ہے' ایک خیر و عافیت کے ساتھ' دوسرے طنزاً ماشاءاللہ یہاں کیا معنی مراد ہیں؟ اگر پہلے معنی مراد ہیں یعنے خیر و عافیت کے ساتھ' تو لفظ "بخیر" بے معنی ہو جاتا ہے' اگر دوسرے معنی مراد ہیں یعنی ماشاءاللہ تو شعر کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

انبار آنسوؤں کے ہیں خونِ جگر کے ڈھیر
معمور ہے خزانۂ سرکارِ آستیں ۲۱۷

"آنسوؤں" کا انبار' خونِ جگر کا ڈھیر' صحیح نہیں ہے' اردو میں سیّال اشیاء کے لیے

لفظ انبار، یا ڈھیر استعمال نہیں ہوتا۔

کل تک جو ہاتھ چشم و چراغ جنوں رہا
۲۱۸
ہے آج فرطِ ضعف سے آزار آشنیں

"آزار" بمعنی ایذا، رنج، بیماری، روگ یہاں کون سے معنی مراد ہیں؟

ہر نفس وقف خیال رخِ جاناں کرلیں
۲۱۹
زندگی ہجر میں دشوار ہے آساں کرلیں

"ہر نفس" کے بعد علامت مفعول چاہیے اس کے بغیر لفظ نفس وقف کرنے کا مفعول نہیں ہوسکتا۔

موجودہ ترکیب میں ہر نفس کے معنی ہر لحظہ کے ہونگے اور وہ شئے جو "وقف" خیال کی جاتی ہے مذکور نہیں۔

خود مسیحا خود ہی قاتل ہیں تو وہ بھی کیا کریں

زخمِ دل پیدا کریں یا زخمِ دل اچھا کریں ۲۳۰

"زخم پیدا کرنا" 'گھائل کرنا' کے معنی میں صحیح نہیں، اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے اردو میں زخم لگانا مستعمل ہے۔

خون کے چھینٹوں سے کچھ پھولوں کے خاکے ہی سہی

موسمِ گل آگیا زنداں میں بیٹھے کیا کریں ۲۲۱

"خون کے چھینٹوں" کے مفہوم میں بہت سے احتمال پنہاں ہیں اگر اس کی تشریح کر دی جاتی تو بہتر تھا۔

ظرف ویرانہ بقدرِ ہمت وحشت نہیں

لاؤ ہر ذرے میں پیدا وسعتِ صحرا کریں ۲۲۲

"ظرف" کے حقیقی معنی برتن، مجازی معنی حوصلہ،

دونوں صورتوں میں "ظرف" کو ویرانہ کی طرف مضاف کرنا بے معنی ہے۔

مرگ بے ہنگام فانی وجہ تسکیں ہو چکی
۲۲۳
زندگی سے آپ گھبراتے ہیں گھبرایا کریں

"مرگ بے ہنگام" یعنے بے وقت کی موت، اگرچہ غیر فصیح ہے، لیکن جب فانی کے لیے موت وجہ تسکین ہو چکی تو پھر زندگی کس کی اور گھبرانے والا کون؟

قربان اک ادائے تغافل پہ لاکھ بار
۲۲۴
وہ زندگی جو صرف ہوئی انتظار میں

صرف شدہ زندگی یعنے عمر رفتہ، اب کیونکر ادائے تغافل پر قربان ہو سکتی ہے؟
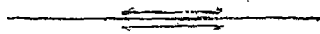
ہائے دنیا وہ تری سرمہ تقاضا آنکھیں
کیا مری خاک کا ذرّہ کوئی بیکار نہیں ۲۲۵

"سُرمہ تقاضا" بمعنی متقاضیٔ سرمہ استعمال کرنا درست نہیں۔

مر کر ترے خیال کو ٹالے ہوئے تو ہیں
ہم جان دے کے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہیں ۲۲۶

"مُر کر" یعنے فوت ہو کر خیال کو ٹالے ہوئے ہیں دل کو سنبھالے ہوئے ہیں، کیا خوب ؟

سازِ ہستی کو بس اب قُم کے اشارے سے نہ چھیڑ
اس میں ٹوٹے ہوئے دل کی نہ ہو آواز کہیں ۲۲۷

"قُم" صیغۂ امر ہے، یعنے اُٹھ کھڑا ہو "قُم کا اشارہ" مضحکہ خیز ہے ؟

دو تین ہچکیوں میں دمِ نزع کہہ گیا
۲۲۸ شرحِ دراز زندگیٔ مختصر کو میں

مختصر بمعنیٔ مجمل " زندگیٔ مختصر " مہمل۔

آ ورنہ جانتا ہوں فریبِ نظر کو میں
۲۲۹ دیکھوں الٹ کے پردۂ داغِ جگر کو میں

پہلے مصرع میں " ورنہ " آگیا ہے، اس لیے دوسرے مصرع میں " دیکھوں " صحیح نہیں، " دیکھونگا " چاہیے۔

آ کے تماشا گاہ جہاں میں داد تماشا کیا چاہوں
۲۳۰ یاں ہر ذرّہ کہتا ہے میں ذرہ نہیں اک دنیا ہوں

" داد چاہنا " انصاف کا خواہاں ہونا، تعریف چاہنا، اس لحاظ سے مصرع اولیٰ کا یہ ٹکڑا " داد تماشا کیا چاہوں " مفید معنی نہیں کیا دوں ہے

نقاب جلوہ کی کایا پلٹ دی شوق بیجد نے
مری وحشت نے توڑا ہے طلسم رنگ و بو برسوں ۲۳۱

"کایا پلٹنا" یعنے "ہیئت بدلنا" ماہیت بدلنا جب نقاب کی کایا پلٹ دی گئی تو اس سے نقاب کی ہیئت بدلنا ثابت ہوتا ہے "نقاب کا اُٹھ جانا" نہیں۔ علیٰ ہذا "رنگ و بو" بھی مخل معنی ہے، اس لیے کہ یہاں اس کے حقیقی معنی مُراد ہونگے، جب تک "رنگ بُو" زمانہ یا دہر کی طرف مضاف نہ کیا جائے مصرع ثانی بامعنی نہیں ہوسکتا۔

جئے جانے کی تہمت کس سے اُٹھتی کس طرح اُٹھتی
ترے غم نے بچائی زندگی کی آبرو برسوں ۲۳۲

"تہمت اُٹھنا" اُردو میں مستعمل نہیں ہے۔

نگاہوں نے دلوں میں دل نے آنکھوں میں تجھے ڈھونڈا
۲۳۳ تری دھن میں رہے سودائیان جستجو برسوں

پہلے مصرع میں "دلوں" کے عوض "دل" چاہیے اگر "دلوں" کا لفظ قایم رکھنا منظور ہو تو "دل" کے عوض "دلوں" ہونا چاہیے۔

مری اک عمر فانی نزع کے عالم میں گذری ہے
۲۳۴ محبت نے مری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں

"لہو" کے ساتھ "کھینچنا" استعمال نہیں ہوتا۔

بہار آئی کہ یا رب عید آئی اہل زنداں کو
۲۳۵ گریباں نے گلے لپٹا لیا ہے بڑھ کے داماں کو

"گلے لپٹا لیا" غلط ہے "گلے سے لپٹا لیا" چاہیے۔

اب آنکھ اُٹھتی ہے وہ جنبش ہوئی ہلکی سی مژگاں کو
وہ چھیڑا چاہتے ہیں نوک نشتر سے رگِ جاں کو ٢٣٦

پہلے مصرع میں "ہلکی سی مژگاں" بے معنی ہے
عبارت یوں چاہیے۔ مژگاں کو ہلکی سی جنبش ہوئی

مرے تلوؤں سے کانٹوں پر نئی گلکاریاں ہونگی
مری وحشت مبارک ہو جنونِ عیش ساماں کو ٢٣٧

"گلکاری" یعنے نقاشی، یہ کہنا کہ "تلوؤں سے
کانٹوں پر گلکاریاں ہونگی اس مشہور کہاوت کا
مصداق :-

ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ

بیاباں کو یہاں لے آئے تھے کچھ خاک کے ذرّے
یہی ذرّے اُڑا لیجائینگے اک دن بیاباں کو ٢٣٨

یہ کہنا کہ بیاباں کو کچھ خاک کے ذرّے یہاں

شعر ا آنکھ اٹھنا غلط التفات کرنا حسرت سے دیکھنا
کے معنی پر آنکھ اٹھا کر دیکھنا ... لے لینا ...

لے آئے تھے، پھر یہ کہنا کہ یہی ذرّے بیاباں کو اُڑا لیجائینگے، آخر اس (آورد و بُرد) کا حاصل ؟

خدا غارت کرے دل کو بڑی مشکل میں ڈالا ہے
۲۳۹ نہ سمجھا عمر بھر ناداں فریب عشق آساں کو

"خدا غارت کرے" عورتیں بولتی ہیں، بد دعا کے محل پر۔

چھٹے جب قید ہستی سے تو آئے گنج تربت میں
۲۴۰ رہا ہوتے ہیں یعنے ہم بدل دیتے ہیں زنداں کو

پہلے مصرع میں کہا گیا ہے کہ جب قید ہستی سے چھٹے تو گنج تربت میں آئے، دوسرے مصرع میں یہ کہنا کہ "رہا ہوتے ہیں" بدل دیتے ہیں، (بزمانۂ حال) درست نہیں۔

نہ آیا موسم گل جب دل دیوانہ جیتا تھا
جواب آئے تو یارب آگ لگ جائے گلستاں کو ۲۴۱

"زندہ دل، مردہ دل" تو متعارف ہے، لیکن یہ "جیتا دل" کیا چیز ہے؟

دلِ فانی سے گو نکلی مگر آساں نہیں نکلی
عجب شئے ہے خدا بخشے امیدِ وصلِ جاناں کو ۲۴۲

"خدا بخشے" کہہ کر جو امید وصل کے حق میں مغفرت کی دعا کی جاتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر نے "امید وصل" کو ایک شخص قرار دیا ہے لیکن پھر اس کو "عجب شئے" کہنا مضحکہ خیز ہے۔

ستم کا لطف بھی ہے امتیازِ لطف کے دم تک
کرم بھی کیوں نہ ہو بیداد گر بیداد ہی کیوں ہو ۲۴۳

پہلے مصرع کا دوسرا ٹکڑا "امتیاز لطف کے دم تک"

مہل ہے، کیونکہ "دم تک" یعنے جیتے جی، غیر ذی روح کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا۔

ٹھکانا ہے سرِ تقدیر پر ہر خونِ ناحق کا
۲۴۴ تری تلوار میرے خون میں ڈوبی ہوئی کیوں ہو

"سر پر خون ہونا" یعنے گناہ قتل ذمہ ہونا، لیکن "سر پر خون کا ٹھکانا ہونا" مضحکہ خیز ہے۔

چلیے بھی آؤ وہ ہے قبر فانی دیکھنے جاؤ
۲۴۵ تم اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھنے جاؤ

"مرنے والا" یعنے وہ شخص جو مر گیا ہو، اس کے ساتھ "اپنا" استعمال کرنا غلط ہے۔

غرورِ حسن کا صدقہ کوئی جاتا ہے دنیا سے
۲۴۶ کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھنے جاؤ

"خاک میں ملتی جوانی" صحیح نہیں، خاک میں

ملتی ہے جوانی' چاہیے۔

اُدھر مُنھ پھیر کر کیا ذبح کرتے ہو ادھر دیکھو
مری گردن پہ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ ۲۴۷

پہلے مصرع میں "کیا ذبح کرتے ہو" سے مذبوح کے متعلق استفسار ثابت ہوتا ہے' طریقۂ ذبح پر متوجہ کرنے کے لیے "کیا" کے عوض "کیوں" چاہیے۔

سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ ۲۴۸

دیکھتے جاؤ ؟؟؟؟؟ ایں شعر نیست میت ملا دوپیازہ است

وہ اُٹھا شورِ ماتم آخری دیدار میت پر
وہ اٹھا چاہتی ہے نعشِ فانی دیکھتے جاؤ ۲۴۹

"اُٹھنا" نعش (جنازہ) کا اختیاری فعل

نہیں، اس لیے "چاہتی ہے" کہنا مضحکہ خیز ہے۔

تو جانِ مدعائے دل اور دل جگہ جگہ
۲۵۰
ہے ایک شمع رونقِ محفل جگہ جگہ

پہلے مصرع میں ردیف مخل معنی ہے "جگہ جگہ" کے معنی ہر جگہ، ہر ایک جگہ کے ہیں یہ تو معنی نہیں ہو سکتے کہ دل ہر ایک پہلو میں ہے۔

حسرت جدا امید جدا آرزو جدا
۲۵۱
دنیائے دل میں ہیں ترے بسمل جگہ جگہ

"جگہ جگہ" کہنے میں "جُدا جُدا" کا مفہوم ہے مصرعِ اولیٰ یوں ہونا چاہیے:- حسرت کہیں امید کہیں آرزو کہیں،

تو نے فراقِ دل ہمیں دیوانہ کر دیا
۲۵۲
پھرتے ہیں پوچھتے خبرِ دل جگہ جگہ

"خبرِ دل" تو صحیح ہے، لیکن "خبرِ دل پوچھتے پھرنا"

صحیح نہیں، علیٰ ہذا "دل" کو "فراق" کی طرف مضاف کرنا بے معنی ہے۔

اب یادگار فانیٔ بسمل ہے اس قدر
گلگوں ہے خاک کوچۂ قاتل جگہ جگہ ۲۵۳

دونوں مصرعے متناقض ہیں، پہلے مصرع سے ثابت ہوتا ہے کہ اب یادگار فانی کے نشانات خفیف سے رہ گئے ہیں، لیکن دوسرے مصرع سے کثرت ظاہر ہوتی ہے، یعنے "جگہ جگہ" اس یادگار کا نشان ملتا ہے!

مشتاق خبردار رہیں دل سے جگر سے
ملتی ہے نظر ان کی زمانے کی نظر سے ۲۵۴

دوسرے مصرع میں "زمانے" سے اگر اہلِ زمانہ مُراد ہیں تو پہلے مصرع میں لفظ "مُشتاق"

زائد ہے، اس لیے کہ اہلِ زمانہ میں مشتاق غیر مشتاق سب داخل ہیں۔

یہ سایہ بھی اُٹھا مری امید کے سر سے
۲۵۵
مُنھ موڑ لیا آہ نے دنیائے اثر سے

کسی شے سے یا کسی شخص سے "مُنھ موڑنا" بولتے ہیں "مُنھ موڑ لینا" نہیں بولتے۔

دل جس سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں
۲۵۶
ملنے کو تو ملتی ہے نظر ان کی نظر سے

مصرعِ اولیٰ میں "اب" مفید معنی نہیں، "اب" کے عوض "یوں" چاہیے۔

بیکاریٔ وحشت میں ہم اے گریۂ وحشت
۲۵۷
دیوار کی صورت کو ملا دیتے ہیں در سے

"بیکاریٔ وحشت" صحیح نہیں، اس لیے کہ

شاعر بیکار بالکل نہیں ہے! گریۂ وحشت میں مشغول ہے!!

مصرعِ ثانی بھی مہمل ہے، اگر دیوار کو در کی صورت کر دینا مقصود ہے تو "ملا دیتے" کی بجائے "بدلتے" چاہیے۔

عرفان محبت سے جدا دل نہیں ہوتا
لیتے ہیں یہاں فال خبر ذوق خبر سے ۲۵۸

"عرفان" یعنے شناخت، پہچان وغیرہ، اس لحاظ سے یہ کہنا کہ "عرفان سے جدا دل نہیں ہوتا" بے معنی ہے۔

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانیؔ
روتی ہے گلے مل کے سحر شمع سحر سے ۲۵۹

"شمع سحر" غلط ہے، شمع سحری مستعمل ہے

علاوہ اس کے "سحر روتی ہے" کہنا مضحکہ خیز۔

ہوش رہے نہ دوش کا فکرِ مآل رہ نہ جائے
۲۶۰
خلوتِ یادِ یار میں کوئی خیال رہ نہ جائے

پہلے مصرع کی ترکیب درست نہیں "ہوش رہے نہ دوش کا" اس ٹکڑے کی مناسبت سے "فکر مآل نہ رہ جائے" کی بجائے "نہ فکرِ مآل رہے" چاہیے۔

جبر قبول عام کر کارِ فغاں تمام کر
۲۶۱
غیرتِ غم کو رام کر اُف مجال رہ نہ جائے

فارسی میں "کار تمام ساختن" آیا ہے' اور اُردو میں اس کا ترجمہ کام تمام کرنا' دو معنی میں مستعمل ہے' ایک کام انجام دینا' دوسرے ہلاک کرنا' مصرع اولیٰ میں اگر یہ بیان کیا جاتا کہ

فغاں کا کام تمام کر دے تو اس کا یہ مفہوم ہوتا کہ فغاں کا خاتمہ کر دے تاکہ فغاں باقی نہ رہے لیکن موجودہ ترکیب میں کام کے عوض "کار" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور وہ بھی مضاف کی حیثیت سے جو مخل معنی ہے۔

نزع میں داد آہ دے اب نہ حیا کو راہ دے
عہد کرم نباہ دے پرسشِ حال رہ نہ جائے ۲۶۲

"عہد نباہنا" ایفائے عہد کے معنی میں غلط ہے

اب جو ہوا ہوا مآل چھوڑ خدا پہ اندمال
زخم جگر پہ خاک ڈال تیر سنبھال رہ نہ جائے ۲۶۳

مصرع ثانی میں ردیف "رہ نہ جائے" محض تکمیل وزن کے لیے ہے اور بیکار!! "چھوڑ خدا پہ اندمال" ——— کھلی بھرتی ہے!

فانی زار جانبری عشق میں مصلحت نہیں
۲۶۴ جان وداع دل کے بعد ہو کے وبال رہ نہ جائے

دوسرا مصرع، مہمل ہے" جان وبال نہ ہو جائے" کہنا چاہیے۔

تھی شکست دل مگر تا حد آواز شکست
۲۶۵ ٹوٹ کر بھی دل طلسم شوق یاس آمیز ہے

پہلے مصرع کے الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دل ٹوٹا اور وہاں تک ٹوٹا جہاں تک اس کے ٹوٹنے کی آواز گئی؟؟؟؟؟

جلوہ کیا دیکھے کوئی قدرت کسے فرصت کہاں
۲۶۶ یاں نقاب جلوہ خود حسن تماشا ریز ہے

"تماشا ریز" یہ ترکیب صحیح نہیں، اس لیے کہ فارسی میں "تماشا ریختن" مستعمل نہیں ہے۔

ہے فنا آباد جہاں اک معنی لفظ آفریں

صورت آباد جہاں اک لفظ معنی خیز ہے ۲۶۷

"لفظ" معنی خیز تو ہو سکتا ہے، لیکن "معنی" کا لفظ آفریں ہونا، بے معنی ہے۔

مرگ فانی کو ہے یارب آہ اب کیا انتظار

دیر سے پیمانہ عمر وفا لبریز ہے ۲۶۸

دوسرے مصرع میں "دیر سے پیمانہ عمر لبریز ہے" کافی تھا، لفظ "وفا" کیا افادۂ معنی کر رہا ہے؟

رہ جائے یا بلا سے یہ جان رہ نہ جائے

تیرا تو اے ستمگر ارمان رہ نہ جائے ۲۶۹

مصرع اولیٰ میں "یا بلا سے" مخل معنی ہے اور "رہ نہ جائے" کا استعمال بھی صحیح نہیں عبارت اس طرح چاہیے:۔ بلا سے یہ جان رہے یا نہ رہے۔

جو دل کی حسرتیں ہیں سب دل میں ہیں تو بہتر
۲۷۰
اس گھر سے کوئی باہر مہمان رہ نہ جائے

دل کی حسرتیں تو دل میں موجود ہیں اور شاعر یہ چاہتا ہے کہ حسرتیں دل سے نکلنے نہ پائیں۔ ایسی حالت میں "مہمان رہ نہ جائے" کی عوض "مہمان جانے نہ پائے" چاہیے۔
"باہر نہ رہ جائے" اس وقت کہہ سکتے ہیں جبکہ کوئی گھر کے باہر ہے اور اندر آنا چاہتا ہے۔

سب منزلیں ہوئیں طے محشر ہے اور اے دل
۲۷۱
یہ ایک رہ گیا ہے میدان رہ نہ جائے

پہلے مصرع کی نثر یوں ہو گی :-
(اے دل سب منزلیں طے ہوئیں اور محشر ہے)
اس جملہ میں "اور" کے کیا معنی ہیں ؟

اگر "اور" کے عوض "صرف" یا اسی قبیل کا کوئی لفظ ہوتا تو مصرع با معنی ہوتا۔

اے سوزِ غم جلا دے اے درد خوں رُلا دے
کچھ ان کی دل لگی کا ساماں رہ نہ جائے ۲۷۲

دوسرے مصرع سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ "ان کی دل لگی کا ساماں" آخر کیا ہے؟

"خوں رُلانا" بھی نون غنہ کے ساتھ فصیح نہیں۔

وہ جام کفر پرور بھر دے کہ مست کر دے
مستوں کے دل میں ساقی ارماں رہ نہ جائے ۲۷۳

"بھر دے" سے واضح ہوتا ہے کہ "جام" خالی ہے، خالی جام کو "کفر پرور" کہنا بے معنی ہے۔ قطع نظر اس کے پہلے مصرع میں ساقی سے

یہ استدعا کی جا رہی ہے کہ جام کفر پرور بھر کے مست کر دے، یعنے استدعا کرنے والے مست نہیں ہیں اور جام کفر پرور سے مست ہونا چاہتے ہیں، ایسی حالت میں استدعا کرنیوالوں کے متعلق ''مستوں'' کا لفظ استعمال کرنا مہمل ہے، اس لیے کہ جب وہ مست ہیں تو پھر مست ہونے کی تمنا کے کیا معنی ؟
''مستوں'' کے عوض ''رندوں'' کا لفظ ہوتا تو یہ سقم مٹ جاتا۔

۳۷۴
بعد فنا بھی کم نہ ہوئیں بے قراریاں
لاشہ نہ تھا مرا کوئی بجلی کفن میں تھی

پہلے مصرع میں لفظ ''فنا'' صحیح نہیں، جب فنا ہو گئے تو پھر کفن دفن اور لاشہ

کس کا؟ اس موقع پر لفظ "مرگ" استعمال ہوتا تو بہتر تھا۔

بدلا ہوا تھا رنگ گلوں کا ترے بغیر
کچھ خاک سی اُڑی ہوئی سارے چمن میں تھی ۲۷۵

دوسرے مصرع میں "سی" مخل معنی ہے۔ اس سے خاک اڑنے کے حقیقی معنی مُراد ہونگے، یعنے خاک کی مانند کوئی شے اُڑ رہی تھی! "سناٹا" یا "سنسان" کے معنی میں مطلق "خاک اڑنا" بولتے ہیں۔

ہم اپنے جی سے گذرے یوں سحر کی
شبِ غم بڑھ چلی تھی مختصر کی ۲۷۶

"مختصر" یعنے خلاصہ کیا گیا، مضمون یا داستان مختصر ہو سکتی ہے، "شب" مختصر نہیں ہو سکتی!

"بڑھ چلنا" بھی غلط استعمال ہوا ہے بڑھ چلنا' گستاخ ہونا' کے معنی میں مستعمل ہے' دراز ہونا' کے معنی میں نہیں۔

نگاہِ شوق کے دم تک تھیں آنکھیں
۲۷۷ اب آنکھیں یادگاریں ہیں نظر کی

"دم تک" یعنی جیتے جی' اس کو "نگاہ شوق" سے متعلق کرنا بے معنی ہے۔

تمہیں کس دل سے اپنی جان کہیے
۲۷۸ وفا اس نے تو کی اور عمر بھر کی

پہلے مصرع میں "کس دل سے" (کس برتے پر) مفید معنی نہیں" کس منہ سے" (کس دلیل پر) چاہیے۔

مرا قتل اور ان کے ہاتھوں یہ تو باتیں
کچھ اُن کے مُنھ کی ہیں کچھ نامہ بر کی ۲۷۹

قافیہ " نامہ بر" مفید معنی نہیں، اس لیے کہ نامہ بر کا کام نامہ بری ہے باتیں بنانا نہیں۔

ہم اکثر جا کے ویرانے سے پلٹے
ہمارے گھر سے ویرانی نہ سرکی ۲۸۰

دُوسرا مصرع مہمل ہے " ویرانی " کے ساتھ " سرکنا " استعمال نہیں ہوتا۔

انہیں بیچین کرنا چاہتا ہے
قضا آئی ہے کیا دردِ جگر کی ۲۸۱

مصرعوں میں معنوی ربط نہیں، " بیچین " سے پہلے " بھی " کا لفظ چاہیے۔

تمہارے عشق کا اللہ رے فیض
۲۸۲ جگر میں دھوم ہے دردِ جگر کی

اس شعر میں قافیہ "جگر" زائد ہے کیونکہ جگر میں دھوم ہے درد کی، کہنے سے مطلب ادا ہو جاتا ہے۔

شبِ فرقت کٹی یا عمرِ فانی
۲۸۳ اجل کے ساتھ آمد ہے سحر کی

مصرع ثانی سے ظاہر ہے کہ اجل اور سحر مل کر آنے کے آثار ہیں ایسی حالت میں ان کی آمد سے پہلے یہ سوال کرنا کہ "شب فرقت کٹی یا عمر فانی"؟ بے معنی ہے۔

کم ہے یا بڑھ گئی وحشت ترے دیوانے کی
۲۸۴ دامنوں کی ہے خبر اور نہ گریبانوں کی

دوسرے مصرع میں شاعر نے یہ بیان کیا ہے کہ

اب دامن کی خبر ہے نہ گریباں کی خبر ہے، اس سے
وحشت کا بڑھ جانا صاف ظاہر ہوتا ہے، ایسی
حالت میں "وحشت کم ہے یا بڑھ گئی" بطور استفہام
کے کہنا، بے معنی ہے۔

فصلِ گل خیر تو ہے دشت میں دیوانوں کی
دامنوں کی خبر آئی نہ گریبانوں کی ۲۸۵

"خیر تو ہے" یا خیر ہے، اُس جگہ بولتے ہیں
جب کوئی کسی کے پاس بے وقت آتا یا بے محل
کوئی کام کرتا ہے، یہ معنی یہ یہاں چسپاں
نہیں ہو سکتے، "خیر تو ہے" کہہ کر
خیر و عافیت مراد لینا صحیح نہیں۔

حسن مجبور تغافل ہے ادب شرط وفا
۲۸۶ رہگئی شرم غم عشق کے افسانوں کی

"شرم رہجانا" عزت و آبرو میں فرق نہ آنا' "غم عشق کے افسانوں کی شرم رہگئی" یعنے افسانوں کی عزت و آبرو میں فرق نہ آیا' کیا خوب!

چشم ساقی کی وہ مخمور نگاہیں تو یہ
۲۸۷ آنکھ پڑتی ہے چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

"آنکھ پڑنا" اردو میں کئی معنی میں مستعمل ہے جیسے رغبت اور لالچ سے دیکھنا' یا حسد سے دیکھنا' "پیمانے" چشم ساقی کو رغبت یا لالچ سے کیوں دیکھیں! یا حسد کیوں کریں! البتہ اس موقع پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ چھلکتے ہوئے پیمانے چشم ساقی کو رشک کی نگاہوں سے

دیکھ رہے ہیں، لیکن " آنکھ پڑنا" رشک کی نگاہوں سے دیکھنا' کے معنی میں غلط ہے۔

دل میں رگ رگ سے کھنچ آئی ہیں لہو کی بوندیں
دعوتیں سینۂ فانی میں ہیں پیکانوں کی ۲۸۸

مصرع اولیٰ مہمل ہے "بوند" کے ساتھ لفظ "کھنچنا" کا استعمال صحیح نہیں۔

دل ہے وہ طاق غمکدۂ عمر دوش کا
رکھی ہے جس پہ شمع تمنا بجھی ہوئی ۲۸۹

"دوش" شب گذشتہ "عمرِ دوش" عمرِ شب گذشتہ' کیا خوب!

ہیں منزل فنا کا نشان شکستہ ہوں
تصویر گرد باد وفا ہوں مٹی ہوئی ۲۹۰

"نشان" اگر آثار اور کھوج کے معنی میں

استعمال ہوا ہے تو اس کی صفت شکستہ غلط ہے،
اگر ستون کے معنی میں استعمال ہوا ہے تو
شعر کا لطف ظاہر ہے۔

کیجے دعا کہ اُف تو کرے دردمند عشق
۲۹۱ اول تو دل کی چوٹ پھر اتنی دکھی ہوئی

"دل دُکھنا" تو اُردو میں مستعمل ہے "دکھی ہوئی
چوٹ" کے کیا معنی ؟

"چوٹ ضرب کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور
دُکھ کے معنی میں بھی، اگر یہاں "چوٹ" بمعنی
ضرب ہے تو اس کے متعلق "دکھی ہوئی" کہنا
غلط ہے، اس لیے کہ ضرب خود دکھ دینے والی
ہوتی ہے، اگر "چوٹ" کا لفظ یہاں بمعنی صدمہ
استعمال ہوا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ صدمہ

دکھا ہوا نہیں ہوتا۔

مرحوم کس ادا کی تماشائیوں میں تھا
پھرتی ہے دل کی لاش تماشا بنی ہوئی ۲۹۲

پہلے مصرع میں "مرحوم" دوسرے مصرع میں "دل" اس طرح اضمار قبل از ذکر نا جائز ہے۔

تعمیر دل نے تجھ سے لیا انتقام عشق
تیری ہی بزم جلوہ گہہ عاشقی ہوئی ۲۹۳

یہ نہیں معلوم ہوتا کہ "تعمیر دل" نے انتقام کیوں لیا! حالانکہ تعمیر ہوئی بربادی نہیں ہوئی۔

وہ مشق خوئے تغافل پھر ایک بار رہے
بہت دنوں مرے ماتم میں سوگوار رہے ۲۹۴

پہلے مصرع میں ردیف "رہے" صحیح نہیں اس کی عوض "ہو" چاہیے۔

جو دل بچا نہ سکے جان کیا بچا لینگے
۲۹۵ نہ اختیار رہا ہے نہ اختیار رہے

پہلے مصرع میں "بچا لینگے" (مستقبل) ہے اس مناسبت سے دوسرے مصرع میں "رہے" (مضارع) کی عوض "رہیگا" چاہیے۔ نیز "جان بچانا" بولتے ہیں "جان بچا لینا" نہیں کہتے۔

میں کب ہے موت کے اس آسرے پہ جیتا ہوں
۲۹۶ کہ زندگی مرے مرنے کی یادگار رہے

مصرع اولیٰ کی بندش سے قطع نظر مصرع ثانی کی عبارت یوں ہونی چاہیے:۔

(بعد مرگ زندگی یادگار رہے)

کوئی دل میں نہیں آیا تو پھر یہ داغِ دل کیا ہے
بتا اے عشق یہ کس چور کا نقشِ کفِ پا ہے ۲۹۷

دل میں کسی کا خیال آنا، تو بولتے ہیں لیکن "کوئی دل میں نہیں آیا" بے معنی ہے۔

مری آنکھوں میں آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہوں کیا ہے
ٹھہر جائے تو انگارہ ہے بہ جائے تو دریا ہے ۲۹۸

"آنکھ" کا لفظ بطور جمع استعمال کیا گیا ہے، اس لیے لفظ "آنسو" کی جو خبر آئیگی وہ بصیغہ جمع ہونی چاہیے اس لحاظ سے پہلے مصرع میں "کیا ہے" صحیح نہیں "کیا ہیں" چاہیے اور اسی طرح دوسرے مصرع میں "بہ جائے" کی عوض "بہ جائیں" ہونا چاہیے۔

مری ہیبت پہ ان کا طرز ماتم کس بلا کا ہے
۲۹۹ دل بے مدعا سے پوچھتے ہیں مدعا کیا ہے

"دل بے مدعا" سے مدعا دریافت کرنے کے لیے ماتم سے کیا تعلق ؟

تمہارے ظلم طعنے غیر کے لوگوں کے آوازے
۳۰۰ محبت میں دل مجبور کو سب کچھ گوارا ہے

مصرع اول مہمل ہے مطلق "آوازے" کہہ کر طعن تشنیع مراد لینا صحیح نہیں۔ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے اُردو میں آوازے سنانا، آوازے کسنا مستعمل ہے۔

غبار رشک خارستان حسرت یاس کا منظر ہے
۳۰۱ ہمارے دل کی دنیا بھی کوئی دنیا میں دنیا

دوسرے مصرع کی ترکیب اُردو بول چال کے

خلاف "دنیا میں دنیا" زائد ہے صرف "دل کی دنیا بھی کوئی دنیا ہے" کہنا ادائے مطلب کے لیے کافی ہے۔

نظر آتے ہیں دل میں آج پھر آثار بیتابی
ہم اے امید سمجھے اس میں کچھ تیرا اشارہ ہے ۳۰۲

"آثار بیتابی نظر آتے ہیں" تو کہہ سکتے ہیں، لیکن "دل میں آثار نظر آتے ہیں" صحیح نہیں۔

مجھ تک اس محفل میں پھر جام شراب آنے کو ہے
عمر رفتہ پلٹی آتی ہے شباب آنے کو ہے ۳۰۳

"پلٹی آتی ہے" سے قطع نظر "عمر رفتہ" کی واپسی خود دلیل شباب ہے۔

ابتدائے عشق ہے لطف شباب آنے کو ہے
۳۰۴
صبر رخصت ہو رہا ہے اضطراب آنے کو ہے

"اضطراب آنے کو ہے" صحیح نہیں "اضطراب" کے ساتھ "آنا" استعمال نہیں ہوتا۔

ابکے سوئے کیا اٹھینگے فتنۂ محشر سے ہم
۳۰۵
صبح محشر کے قریب آنکھوں میں خواب آنے کو ہے

پہلے مصرع میں "ابکے" یعنے اس مرتبہ، اس دفعہ، مفید معنی نہیں، اس کے عوض اب جو (اس وقت جو) ہوتا تو مصرع بامعنی ہوسکتا۔

ناامیدی موت سے کہتی ہے اپنا کام کر
۳۰۶
آس کہتی ہے ٹھہر خط کا جواب آنے کو ہے

"اپنا کام کر" اس موقع پر بولتے ہیں جب کوئی اپنے کام کو چھوڑ کر دوسری طرف مخاطب

ہو جائے، یہاں ناامیدی جو موت سے کہہ رہی
ہے کہ اے موت تو اپنا کام کر، صحیح نہیں
اس لیے کہ ہنوز موت نے اپنے کام کا آغاز کیا
اور نہ آغاز کرنے کے بعد کچھ توقف کیا !!

دیکھئے موت آئے فانی یا کوئی فتنہ اُٹھے
میرے قابو میں دل بے صبر و تاب آنے کو ہے ۳۰۷

مصرع ثانی کی ترکیب درست نہیں، "دل قابو میں آنے کو
ہے" فصحا نہیں بولتے، علاوہ اس کے لفظ "تاب"
پر بھی باء نا فیہ لانا چاہیے۔

گریہ کے آداب کے حواس ہیں کس کو
ہائے کہ تاب احتیاط نہیں ہے ۳۰۸

پہلے مصرع میں لفظ "گریہ" سے متصل بہت
سے "ک" جمع ہو گئے ہیں اور یہ عیب تنافر ہے

اسی طرح دوسرے مصرع میں "ہائے" کے بعد "کہ" کانوں کو ناگوار ہے۔ ہوش دحواس کہنا چاہئیے ع

داغ باندازۂ جگر نہیں فانی
۳۰۹　وسعت منزل بقدر بساط نہیں ہے

اس شعر میں "داغ" بساط اور "جگر" منزل ہے، اس لحاظ سے دوسرے مصرع کی عبارت یوں ہونی چاہیے :-

بساط بقدر وسعت منزل نہیں ہے۔

وصل سے محروم میں ہوں ورنہ گستاخی معاف
۳۱۰　بوسے لیتا ہے تصور آپ کی تصویر کے

پہلے مصرع میں لفظ "ورنہ" محض تکمیل وزن کے لیے ہے اور مخل معنی بھی!

"بساط" کی "ب" وزن سے خارج۔

دوسرے مصرع میں یہ کہنا کہ "تصور" خود "تصویر" کے بوسے لیتا ہے کچھ ٹھیک نہیں۔

میرے مرتے ہی دل بیتاب کو چین آگیا
زندگی صدقے میں اتری گردش تقدیر کے ۳۱۱

"صدقے میں اترنا" صحیح نہیں "صدقے اُتارنا" یعنے قربان کرنا، اردو میں مستعمل ہے۔

دیکھیے کیا ہو وہ اور آزردگی بے سبب
ہم خطا ناکردہ خوگر عذر بے تقصیر کے ۳۱۲

لفظ "آزردگی" میں جو مضاف واقع ہوا ہے حرف "ی" کو مشدد لانا درست نہیں۔

ساتھ جائیگا مری میت کے سامان خلش
دل میں رکھ چھوڑے ہیں پیکاں میں نے تیری تیر کے ۳۱۳

"پیکاں" کا لفظ بطور جمع کے استعمال ہوا ہے

گویا ایک "تیر" کے کئی پیکاں ہوتے ہیں؟

دردمندانِ وفا کی ہائے رے مجبوریاں
۳۱۴ دردِ دل دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کیے

"دیکھا نہ جاتا تھا" عموماً اُس موقع پر بولتے ہیں، جب کوئی کسی مصیبت میں مبتلا ہو، اور دیکھنے والا کہے کہ اس کی مصیبت دیکھی نہیں جاتی۔

چونکہ "دردمندانِ وفا" خود دردِ دل میں مبتلا ہیں اس لیے یہ کہنا کہ "درد دیکھا نہ جاتا تھا" بے معنی ہے۔

رُخ مری جانب نگاہِ لطف دشمن کی طرف
۳۱۵ یوں اُدھر دیکھا کیے گویا اِدھر دیکھا کیے

دُوسرے مصرع میں ردیف "دیکھا کیے" صحیح نہیں، دیکھ رہے ہیں، یا دیکھتے ہیں، چاہیے۔

یاس جب چھائی امیدیں ہاتھ مل کر رہ گئیں ۳۱۶
دل کی نبضیں چھٹ گئیں اور چارہ گر دیکھا کیے

"یاس چھائی" صحیح نہیں، یاس ہونا، یاس آجانا، مستعمل ہے "یاس چھانا" نہیں۔

دوسرے مصرع میں "نبضیں چھٹ گئیں" بھی صحیح نہیں، نبضوں کی حرکت ساقط ہوجانا، کے معنی میں نبضیں چھٹنا بولتے ہیں "نبضیں چھُٹ جانا" نہیں کہتے۔

حجاب زعم تماشا اٹھا تو کچھ دیکھوں
رہی نگاہ بہ پردہ تو اٹھ بھی سکتا ہے ۳۱۷

پہلے مصرع میں "اٹھا" (ماضی) صحیح نہیں "اُٹھے" (مضارع) چاہیے۔

امید و بیم پہ ہے ہستیٔ بشر موقوف
۳۱۸ کہ جا کے دم پلٹ آتا ہے دل دھڑکتا ہے

"دم جانا" صحیح نہیں' مرجانا' کے معنی میں دم چھوڑ دینا (لازم) مستعمل ہے "دم پلٹ آنا" بھی غلط!

خفا نہ ہو تو یہ پوچھوں کہ تیری جان سے دُور
۳۱۹ جو تیرے ہجر میں جیتا ہے مر بھی سکتا ہے

"جان سے دُور" اُس جگہ بولتے ہیں جہاں مخاطب کی طرف کسی بُری بات کی نسبت کرنے کو بُرا سمجھتے ہیں' یہاں اس کا نہ اندیشہ ہے نہ قرینہ' اس لیے پہلے مصرع میں "جان سے دور" بے محل استعمال ہوا ہے۔

وہ دل میں ہوک سی اٹھی وہ مجھ کو ہوش آیا
وہ درد جس کی دوا تو ہے پھر چمکتا ہے ۳۲۰

"ہوک اُٹھنا" یعنے ٹھہر ٹھہر کر درد اُٹھنا، "ہوک سی اُٹھنا" صحیح نہیں "سی" مخل معنی ہے۔ نیز "درد میں چمک ہوتی ہے" بولتے ہیں "درد چمکتا ہے" نہیں بولتے۔

حدودِ غم سے غمِ عشق بڑھ چلا فانی
وہ جام عمر کہ لبریز تھا چھلکتا ہے ۳۲۱

"بڑھ چلنا" یعنے حد سے متجاوز ہونا، اس لحاظ سے پہلے مصرع میں "حدود" کا لفظ اور غم کی تکرار مفید معنی نہیں، ادائے مطلب کے لیے غمِ عشق حد سے بڑھ گیا، کہنا کافی ہے۔

مجھے قسم ہے ترے صبر آزمانے کی
۳۲۲ کہ دل کو اب نہیں برداشت غم اٹھانے کی

"مجھے قسم ہے" کہہ کر یہ معنی لینا کہ میں قسم کھاتا ہوں، صحیح نہیں، محاورہ یہ ہے کہ ہمیں فلاں چیز کی قسم ہے، یعنے اس سے کچھ تعلق نہیں۔

نہ سانس کا ہے بھروسہ نہ آہ میں تاثیر
۳۲۳ وہ کیا پھرے کہ ہوا پھر گئی زمانے کی

"پھرنا" "سے" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو منحرف ہونا کے معنی دیتا ہے، مطلق "پھرنا" کے معنی چکّر کھانا کے ہیں، اس لیے "وہ کیا پھرے" صحیح نہیں، "مجھ سے وہ کیا پھرے" چاہیے۔

ترا اسیر ہوں چاہے تو ذبح کر صیاد
نہ توڑ دل کہ امانت ہے آشیانے کی ۳۲۴

"دل" کو "آشیانے" کی امانت کہنا بے معنی ہے۔

گلہ ضرور نہیں حال بیخودی معلوم
تمہاری یاد کو عادت ہے بھول جانے کی ۳۲۵

"یاد" کا کام تذکّر ہے نسیان نہیں، نیز مصرع اولیٰ میں "ضرور" کی بجائے "ضروری" چاہیے

خیال یار ہے اک حسن وعشق کی دنیا
وہی نگاہ میں ہیں گردشیں زمانے کی ۳۲۶

پہلے مصرع کی ترکیب درست نہیں، "اک حسن وعشق کی دنیا" کے عوض "حسن وعشق کی اک دنیا" چاہیے، علیٰ ہذا دوسرے مصرع میں "وہی" کا

لفظ "گردشیں" سے پہلے لانا چاہیے۔

ادا سے آڑ میں خنجر کے مُنھ چھپائے ہوئے
۳۲۷
مری قضا کو وہ لائے دلہن بنائے ہوئے

یہ واضح نہیں ہوتا کہ "قضا" سے مُراد خنجر ہے یا معشوق کا منھ، اگر خنجر مراد ہے تو یہ صحیح نہیں، کیونکہ "خنجر" تو صرف آڑ ہے، اگر معشوق کا مُنھ مُراد ہے تو "منھ" کو "قضا" سے تعبیر کرنا کیا معنی؟

تمہیں کہو تمہیں اپنا سمجھ کے کیا پایا
۳۲۸
مگر یہی کہ جو اپنے تھے سب پرائے ہوئے

پہلے مصرع میں "کیا پایا" صحیح نہیں، کیا پھل پایا، چاہیے۔ دوسرے مصرع میں "سب" زائد ہے۔

کسی کا ہائے وہ مقتل میں اس طرح آنا
نظر بچائے ہوئے آستیں چڑھائے ہوئے ۳۲۹

پہلے مصرع میں "نظر بچائے ہوئے" مفید معنی نہیں اس لیے کہ "نظر بچانا" اردو میں اغماض کرنا کے معنی میں مستعمل ہے۔

اجل کو مژدۂ فرصت کہ آج فانیؔ زار
امید وصل سے بیٹھا ہے لو لگائے ہوئے ۳۳۰

"لو لگانا" یعنے توقع کرنا، آسرا رکھنا "امید سے لو لگانا" بے معنی ہے۔

اے کاش شہادت کے ارمان نکل جاتے
قاتل کی نگاہوں کے تیور ہی بدل جاتے ۳۳۱

"تیور" یعنے نگاہ کا انداز، اس لحاظ سے مصرع ثانی میں "نگاہوں" مخل معنی ہے۔

آتے وہ تو فرقت میں دکھ کیا ہیں اجل کیسی
۳۴۲ آئی ہوئی ٹل جاتی آئے ہوئے ٹل جاتے

"اجل ٹل جاتی" تو کہتے ہیں، لیکن "دکھ ٹل جاتے" زبان کے خلاف ہے۔

سر اب مجھے بھاری ہے صدقہ ترے خنجر کا
۳۴۳ یہ بار اتر جاتا جو وار تھے چل جاتے

"سر بھاری ہونا" اس موقع پر بولتے ہیں جب نزلے یا زکام کے باعث سر بھاری معلوم ہو۔ "بھاری" یعنے بوجھل، اس کا استعمال "بوجھ" کے معنی میں صحیح نہیں۔

جس قدر چاہیئے جلوے کو فراوانی دے
۳۴۴ ہاں نظر دے تو مجھے فرصتِ حیرانی دے

پہلے مصرع میں "چاہیئے" صحیح نہیں "چاہیئے"

کے عوض "چاہے" چاہیے۔

ترجمانِ غمِ دل رنگِ شکستہ ہے نہ آہ
کون اس عہد میں اب دادِ زباں دانی دے ۳۳۵

پہلے مصرع سے ظاہر ہے کہ "غمِ دل کی ترجمانی رنگِ شکستہ سے ہو سکی نہ آہ سے! جب دونوں ترجمانی سے قاصر ہیں تو اب شاعر کس کی زباں دانی کی داد کا خواہاں ہے؟

پھر تجھے زحمتِ درباں نہ مجھے شکوۂ غیر
میری قسمت کو جو تو خدمتِ دربانی دے ۳۳۶

"زحمتِ درباں" یعنے وہ زحمت جو دربان سے پہنچے، اس سے تقرر دربان، مراد لینا صحیح نہیں۔

تیری ہی نگاہوں کے سب دیکھنے والے ہیں

۳۳۷ تقدیر بگڑ بیٹھی تدبیر نہ کام آئی

"بگڑ بیٹھنا" یعنی لڑ پڑنا، اس کا استعمال غیر ذی روح کے ساتھ صحیح نہیں۔

پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا

۳۳۸ جب ذکر بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

"پھولوں" کا لفظ اگر حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے تو اس کے ساتھ لفظ "تعلق" موزوں نہیں، اگر مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے تو "تعلق" کہنا رکیک ہے۔

طوفانِ اضطراب جنوں اُٹھ کے دیر سے

۳۳۹ بیٹھا ہوں جمع خاطر داماں کیے ہوئے

"خاطر" کو "داماں" کی طرف مضاف کرنا

بے معنی ہے۔

دل کی لحد پہ خاک اڑانے چلا ہے عشق
ذرّے سے اکتسابِ بیاباں کیے ہوئے ۳۴۰

یہ نہیں معلوم ہوتا کہ "عشق" نے کس ذرّے سے اکتساب بیاباں کیا؟

کرم ہے راز امید کرم کی ہستی کا
امید تیرے کرم کی امیدوار ہوئی ۳۴۱

یہ کہنا کہ امید امیدوار ہوئی بے معنی ہے۔

بلا سے ہجر میں جینے کی انتہا تو ہے
وہ ایک بار ہوئی یا ہزار بار ہوئی ۳۴۲

"جینے کی انتہا" سے مراد زندگی کا خاتمہ ہے یعنے موت! اس لحاظ سے مصرع اولیٰ کو مصرع ثانی سے کیا ربط؟

امید مرگ پہ فانیؔ نثار کیا کیجے
۳۴۳ وہ زندگی جو ہوئی بھی تو مستعار ہوئی

مصرع ثانی میں "ہوئی" کا لفظ دو جگہ استعمال ہوا ہے اور دونوں جگہ بے معنی ہے، اس کے عوض دونوں جگہ "ملی" چاہیے۔

چمکا دیا ہے رنگ چمن لالہ زار نے
۳۴۴ شاید خزاں کو آگ لگادی بہار نے

"آگ لگانا" جلانا کے معنی پر "میں" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے "کو" کے ساتھ نہیں۔ "خزاں" کا جلنا بھی اک امر مستبعد ہے، اگر "آگ لگانا" مجازی معنی (تلف کر دینا، لٹا دینا، اڑا دینا وغیرہ) میں استعمال ہوا ہے تو اس کو شعر سے معنوی ربط نہیں۔

تربت کے پھول شام سے مرجھا کے رہ گئے
رو رو کے صبح کی مری شمع مزار نے ۳۴۵

پہلے مصرع سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ "پھول" کے مرجھانے کا سبب شام ہے، کہنا یہ چاہیے کہ پھول شام ہی سے مرجھا کے رہ گئے!

اپنی تو ساری عمر ہی فانی گزار دی
اک مرگ ناگہاں کے غم انتظار نے ۳۴۶

پہلے مصرع میں "اپنی" کا لفظ بے محل واقع ہوا ہے اس کی ضمیر "غم انتظار" کی طرف راجع ہے "فانی" کی طرف نہیں۔

یہ ہستی دو روزہ گویا کہ نہیں فانی
اللہ رے نرالے دل انداز پریشانی ۳۴۷

"دو" میں واؤ ملفوظ اردو ترکیب میں تو

جائز ہے، لیکن فارسی ترکیب میں جائز نہیں۔

پھر خواب میں طوق آیا زنجیر نظر آئی
۳۴۸
در پردہ ہے وحشت کی پھر سلسلہ جنبانی

"مصرع اولی مہمل ہے، عبارت یوں ہونی چاہیے۔
"پھر خواب میں طوق نظر آیا زنجیر نظر آئی"۔

مانا کہ غمِ جاناں غارت گرِ ساماں ہے
۳۴۹
رکھا ہی یہاں کیا ہے جز بے سر و سامانی

دوسرے مصرع کے قافیہ کی رعایت سے پہلے مصرع میں "ساماں" کا لفظ لایا گیا ہے، لیکن "غمِ جاناں" کو ساماں (چیز بست) سے کیا تعلق؟

فانی وہ بلاکش ہوں غم بھی مجھے راحت ہے
۳۵۰
میں نے غمِ راحت کی صورت بھی نہ پہچانی

مصرع ثانی میں "نہ پہچانی" صحیح نہیں، اس کے

عوض "نہیں دیکھی" چاہیے۔

آتی ہے صبا سوئے لحد ان کی گلی سے
شاید مری مٹی ابھی برباد نہیں ہے ۳۵۱

"نہیں ہوئی ہے" کا مفہوم ادا کرنے کے لیے "نہیں ہے" کہنا صحیح نہیں۔

دنیا میں دیارِ دل فانیؔ کے سوا ہائے
کوئی بھی وہ بستی ہے جو آباد نہیں ہے ۳۵۲

پہلے مصرع کی ترکیب درست نہیں عبارت یوں ہونی چاہیے:۔

کوئی بستی ایسی بھی ہے جو آباد نہیں ہے۔

آتی ہے خاک جادہ ہستی سے بوئے دل
کس آرزو بھرے کی تمنا کچل گئی ۳۵۴

مطلق "آرزو بھرا" صحیح نہیں "آرزو بھرا دل" وغیرہ

مستعمل ہے نیز "بو" کی مناسبت سے "خون دل" لایا جاتا تو بہتر تھا۔

اللہ رے نوک نشتر غم کی لگاوٹیں
۳۵۴ اک اک لہو کی بوند پہ ظالم مچل گئی

"اک اک لہو کی بوند" صحیح نہیں، لہو کی اک اک بوند' یا اک اک بوند لہو کی' چاہیے۔

تعمیر آشیاں کی ہوس کا ہے نام برق
۳۵۵ جب ہم نے کوئی شاخ چنی شاخ جل گئی

"آشیاں" بمعنی مکان' اور گھونسلا' مستعمل ہے' "آشیاں" اگر بمعنی مکاں استعمال ہوتا تو تعمیر کا لفظ صحیح ہو سکتا۔ چونکہ مصرع ثانی میں "شاخ" کا ذکر آگیا ہے' اور یہ ظاہر ہے کہ یہاں آشیاں سے مراد "گھونسلا" ہے

اس لیے گھونسلے کے ساتھ لفظ تعمیر استعمال
کرنا غلط ہے۔

تم کیوں گئے تھے آئینہ خانہ میں بے حجاب
اچھا ہوا کہ شرم و شرارت میں چل گئی ۳۵۶

"بے پردہ" کا مفہوم ادا کرنے کے لیے "بے حجاب"
کہنا صحیح نہیں۔

کہتے ہیں جن کو عرفِ محبت میں داغ دل
وہ نقش تو ہوں ترے پائے خیال کے ۳۵۷

"عرف" یعنے مشہور نام' عام نام' لہذا
"عرف" کو "محبت" کی طرف مضاف کرنا بے معنی ہے۔

اُبھری ہوئی ہے چوٹ دل دردمند کی
رکھنا قدم تصور جاناں سنبھال کے ۳۵۸

"قدم سنبھال کے رکھنا" صحیح نہیں' قدم سنبھل کے رکھنا"

مستعمل ہے کہ عبارت سمجھ [illegible]

قربان ایک آمد دل پر ہزار بار

۳۵۹ صدقے اس ابتدائے قیامت آل کے

"پہلے مصرع میں" ایک آمد دل' صحیح نہیں' ایسے موقع پر ایک کا لفظ استعمال نہیں ہوتا' علیٰ ہذا " آمد دل" بھی بے معنی ہے۔

شکوہ کیا کیجئے نگاہ یار خود غم دیدہ ہے

۳۶۰ کیا تماشا ہے کہ دل کا چور بھی دزدیدہ ہے

" دزدیدہ" کے حقیقی معنی چرایا ہوا' اور جب نگاہ' یا نظر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے' جیسے دُزدیدہ نظر' یا نگاہ دزدیدہ' تو اس کے معنی کنکھیوں سے دیکھنے کے ہیں' اگر یہ لفظ یہاں حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے تو جب بھی

یہ شعر داغ کے اس مشہور شعر سے ماخوذ ہے:

[illegible]

مصرع ثانی بے معنی ہے اس لیے کہ دل کا چور جب دزدیدہ ہے یعنے چرایا ہوا، تو چور کا چرایا ہوا، کیا معنی ؟

"دزدیدہ" اگر اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے تو اس کے ساتھ نظر یا نگاہ، کا لفظ ہونا چاہیے!!

ذرہ ذرہ تربت فانی کا شیون جوش ہے
اس صف ماتم میں اک شمع لحد خاموش ہے ۳۶۱

"شیون جوش" کے معنی ازروئے ترکیب شیون کے جوش والا، اس سے یہ مراد لینا کہ ذرہ ذرہ سے شیون جوش زنی کر رہا ہے، صحیح نہیں۔

طور تو ہے رب ارنی کہنے والا چاہیے
لن ترانی ہے مگر نا آشنائے گوش ہے

"لن ترانی" کے متعلق یہ کہنا کہ نا آشنائے گوش ہے

غلط ؟ یوں کہنا چاہیے کہ گوش نا آشنائے لن ترانی ہے!

پھیرے ہیت کی جانب سے نگاہ التفات
۳۶۳
سیکڑوں شکووں کے نرغہ میں لب خاموش ہے

لفظ "نرغہ" ہجوم' اور انبوہ' پر دلالت کرتا ہے اس لیے دوسرے مصرع میں "سیکڑوں" زائد ہے۔

ہر لمحہ حیات رہا وقف کار شوق
۳۶۴
مرنے کی عمر بھر مجھے فرصت نہیں رہی

"کارشوق" سے کیا مراد ہے ؟ اور کس کام کی طرف یہ اشارہ ہے ؟ نیز وہ ایسا کیا کام ہے' جس کی انجام دہی میں شاعر کا ہر لمحۂ حیات وقف رہا !!

اک نالۂ خموش مسلسل ہے اور ہم
یا دشِ بخیرِ ضبط کی طاقت نہیں رہی ۳۶۵

"خموش" بمعنی ساکت، چُپ، اس کو "نالہ" کی صفت قرار دینا درست نہیں۔

یوں مٹ گئی وفا کہ زمانہ کا ذکر کیا
اب دوست سے بھی کوئی شکایت نہیں رہی ۳۶۶

دوسرے مصرع میں "دوست" کا لفظ لایا گیا ہے۔ اس مناسبت سے پہلے مصرع میں اغیار یا دشمن، وغیرہ کا ذکر چاہیے، مطلق "زمانہ" کہنا صحیح نہیں، اس لیے کہ "زمانہ" سے مراد اہلِ زمانہ ہیں، اور اس میں دوست دشمن سبھی داخل ہیں۔

دل اور ہوائے سلسلہ جنبانی نشاط

۳۶۷ کیوں پاسِ وضعِ غم تجھے غیرت نہیں رہی

"وضعِ غم" یعنے غم کی وضع' گویا "غم" بد وضع بھی ہوتا ہے!

غربت نے بیکسی کا نشاں بھی مٹا دیا

۳۶۸ اُڑتی تھی جس پہ خاک وہ تربت نہیں رہی

"خاک اڑنا" تباہ ہونا' برباد ہونا' لیکن مصرع ثانی میں "جس پہ" کے الفاظ ہیں' اس وجہ سے اصطلاحی معنی مراد نہ ہونگے' بلکہ لغوی معنی؛ یعنے وہ تربت نہیں رہی جس پر گرد و غبار اڑا کرتا تھا!!

پتھرا گئی تھی آنکھ مگر بند تو نہ تھی

۳۶۹ اب یہ بھی انتظار کی صورت نہیں رہی

"آنکھ پتھرا گئی" صحیح نہیں' آنکھیں کھلی رہجانا' کے

معنی میں بلفظ جمع "آنکھیں پتھرا جانا" مستعمل ہے۔

آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ اُمڈا آتا ہے
دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے　۳۷۰

"جی امڈا آنا" غلط ہے، رونا، چلّانا، دردمند ہونا، کے معنی پر اُردو میں "جی بھر آنا" مستعمل ہے۔

عجز گنہ کے دم تک ہیں عصمت کامل کے جلوے
پستی ہے تو بلندی ہے راز بلندی پستی ہے　۳۷۱

"دم تک" یعنی جیتے جی اس کا استعمال لفظ "عجز" کے ساتھ مضحکہ خیز ہے۔

وحشت دل سے پھرنا ہے اپنے خدا سے پھر جانا
دیوانے یہ ہوش نہیں یہ تو ہوش پرستی ہے　۳۷۲

"پھرنا" یعنے چکّر کھانا، مخل معنی ہے، یہاں بھی "پھر جانا" چاہیے۔

فانیؔ جس میں آنسو کیا دل کے لہو کا کال نہ تھا
۳۷۳ ہائے وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

اس شعر میں "آنکھ" کا لفظ جو واحد استعمال ہوا ہے مضحکہ خیز ہے۔

جنسِ دل مفت پھنسا کر کوئی دیوانہ بنے
۳۷۴ زلفِ جاناں سے بنا ہے کبھی سودا نہ بنے

"پھنسا" کا استعمال "دل" کے ساتھ تو صحیح ہے لیکن "جنس" کے ساتھ صحیح نہیں۔

لب تک آجائے غمِ ہجر تو شکوہ ہو جائے
۳۷۵ آپ سُن لیں تو عجب کیا ہے کہ افسانہ بنے

"لب تک آجائے غمِ ہجر" یہ ترکیب بے معنی ہے اس لیے کہ "غم" لب تک نہیں آتا، بلکہ حرفِ غم یا ذکرِ غم، لب تک آسکتا ہے۔

برگشتہ مقدر کی تاثیر ارے توبہ
دل ہی پہ پلٹ آئی کی آہ جہاں کوئی ۳۷۶

لفظ "آہ" کے ساتھ "کوئی" بطورِ تنکیر استعمال کرنا خلاف قاعدہ ہے۔

یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہیے
تو چپ ہیں کہ کیا کہیے کھلتی ہے زباں کوئی ۳۷۷

یہ شعر میر کے اِس مشہور شعر سے ماخوذ ہے:۔

کہتے تھے کہ یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا ۳۷۸

لیکن ردیف "کوئی" یہاں صحیح نہیں "کہیں" چاہیے۔

آپ سوچا ہی کیے اس سے ملوں یا نہ ملوں
موت مشتاق کو مٹی میں ملا بھی آئی ۳۷۹

پہلے مصرع میں "اُس" دوسرے مصرع میں

"مشتاق" اس طرح مشارٌ الیہ سے پہلے اسم اشارہ
خلاف قاعدہ ہے۔

سرکار پاس وضع جفا چاہتا ہوں میں
۳۸۰ یہ بھی اگر وفا ہے تو اچھا نہ کیجئے

"پاس کرنا" مستعمل ہے "پاس چاہنا" نہیں۔

دیکھو جو وقت پرسش جاناں نہ بھول جائیں
۳۸۱ ٹھانی تو ہے کہ عرض تمنا نہ کیجئے

"نہ کیجئے" بہ صیغۂ امر صحیح نہیں، یہاں یا تو مضارع
چاہیے یا مستقبل۔

فانی بلائے مرگ سے غم کیجیئے غلط
۳۸۲ اب جستجوئے راحتِ دنیا نہ کیجئے

"غم کیجیے غلط" غلط! "دل بہلانا" کے
معنی میں "غم غلط کرنا" مستعمل ہے۔

میری گراں جانیاں مجھ سے جدا ہوں تو ہوں
سعی الم رائیگاں دیکھیے کب تک رہے ۳۸۳

"جدا" الگ، علاحدہ، گراں جانیاں جدا ہوں تو ہوں، مہمل، نیز "گراں جانیاں" بہ کلمہ جمع غلط۔

شوق کی گرمی ہنگامہ کو وحشت جانا
جمع جب خاطر وحشت ہوئی ارماں سمجھے ۳۸۴

لفظ "جمع" اور "خاطر" میں فصل ہونے کی وجہ سے "خاطر" اور "جمع" کے لغوی معنی مراد ہو گئے۔ اصطلاحی نہیں نیز خاطر کو وحشت کی طرف مضاف کرنا ہے معنی۔

ہماری لاش مرقع ہے بیقراری کا
اک اضطراب کی صورت بھی اس قرار میں ہے ۳۸۵

"لاش" مردہ جسم، اس کو بیقراری کا مرقع قرار دینا ذوقِ سلیم کے خلاف ہے۔

کیا کیا نہ اس نے کام لیا اک حجاب سے
۳۸۶ اکثر صفیں نظر کی الٹ دیں نقاب سے

"کیا کیا" عموماً مختلف کاموں کے اظہار کے موقع پر بولا جاتا ہے ایک ہی کام کی کثرت کے لیے نہیں۔
مطلق "نقاب" سے نظر کی صفیں الٹ دینا بھی بے معنی ہے۔

یا میرے بے شمار گناہوں سے درگذر
۳۸۷ یا میرے عذر سن کرم بے حساب سے

دوسرے مصرع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اپنے عذر بیان کرنے سے قاصر ہے' اور التجا کرتا ہے کہ اپنے کرم بے حساب سے میرے عذر سماعت کر' گویا کرم بے حساب کو خود گنہگاروں کے

عذر بیان کرنا چاہیے۔

جاتی ہے اے امید کہاں دل اجاڑ کر
چل دے نہ اُٹھ کے کوئی جہانِ خراب سے ۳۸۸

دوسرے مصرع کی ترتیب صحیح نہیں" اُٹھ کے چل دینا" فوت ہو جانا' کے معنی میں غلط ہے' اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے اُردو میں 'دُنیا سے اُٹھ جانا' 'دنیا سے چل بسنا' مستعمل ہے۔

فانی جہانِ عشق میں ہوں لاکھ انقلاب
غم بدگماں نہیں اثرِ انقلاب سے ۳۸۹

دوسرا مصرع مہمل ہے' یہ کہنا کہ " غم اثرِ انقلاب سے بدگمان نہیں" ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے' بخار دوا کے اثر سے بدگمان نہیں ؟

دل کی صورت آ کے پہلو سے تمہیں جانا نہ تھا

۳۹۰ اور گئے بھی تھے تو جان بے وفا کیوں ہو گئے

"دل کی صورت" آنا تو ہو سکتا ہے ؟ لیکن "دل کی صورت جانا" بے معنی ہے، نیز دوسرے مصرع میں "بھی" زاید ۔ "تھے" رہے یا "بھی" ۔

محشر میں عذر قتل بھی ہے خوں بہا بھی ہے

۳۹۱ وہ اک نگاہ جس میں گلہ بھی حیا بھی ہے

اس شعر میں "خوں بہا" کی ایک حد تک "حیا" سے مناسبت ہو سکتی ہے، لیکن "عذر قتل" کو گلہ سے کیا تعلق ؟

ہاں دل میں درد بھی ہے زباں بھی نہیں ہے بند

۳۹۲ کس سے کہیں کوئی دلِ درد آشنا بھی ہے

دوسرے مصرع میں لفظ "دل" زاید ہے،

اس لیے کہ "درد آشنا" کہنے سے شخص کا دل ہی مراد ہوتا ہے، مجرد شخص نہیں!

اے حد ضبط درد نہ کر دل سے اب دریغ
اک آہ بے صدا کہ دعا بھی دوا بھی ہے ۳۹۳

پہلے مصرع میں لفظ "حد" زاید ہے، صرف ضبط درد کافی ہے، نیز "آہ" کی صفت "بے صدا" بے معنی؟؟

اڑا لئے ہیں کچھ انداز موت نے فانی
عتاب یار کے روز سیاہ فرقت کے ۳۹۴

"انداز اڑانا" یعنے کسی کا ڈھنگ سیکھ لینا، یا کسی کی طرز اڑا لینا، اس لحاظ سے "روز سیاہ" کے ڈھنگ یا انداز اڑانا کیا معنی؟ اور "روز سیاہ" کو انداز سے کیا مناسبت!!

آگہی کیا خبر لانا ہے قاصد وصل دلبر کی
۳۹۵
بلائیں لے رہی ہیں میری تدبیریں مقدر کی

پہلے مصرع میں خبر کے عوض "پیام" کا لفظ چاہیے، بحالتِ موجودہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دلبر کا وصل ہوا یا نہیں، اس خبر کے سننے کا شاعر منتظر ہے!

دیا اک جان کے دشمن کو دل جاں نذر دلبر کی
۳۹۶
یہ ہے اپنی کہانی قصّہ کوتہ زندگی بھر کی

پہلے مصرع کا توازن درست نہیں "اک دشمن جاں" کی مناسبت سے' جان اک دلبر کے' نذر کی" چاہیئے

اجل کی آرزو ہو دل میں فانی اور دنیا ہو
۳۹۷
خدا رکھے یہی رونق ہے اس اجڑے ہوئے گھر کی

پہلے مصرع میں اس بات کی تمنّا کی جا رہی ہے کہ

دل میں اجل کی آرزو ہو اور دوسرے مصرع میں "خدا رکھے" کہا گیا ہے حالانکہ اس کا استعمال اس وقت درست ہوتا جبکہ کوئی چیز موجود ہے اور اس کے برقرار رکھنے کے لیے دعا کی جاتی ہے۔

دوسرے مصرع میں "یہی رونق ہے" بھی صحیح نہیں، ایسے موقع پر اسی سے رونق ہے کہتے ہیں۔

تری خدائی میں ہوتی ہے ہر سحر کی شام
الٰہی اپنی سحر کی بھی شام ہو جائے ۳۹۸

مصرع اول میں "تری خدائی" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اور مصرع ثانی میں لفظ "الٰہی" سے تخاطب کیا گیا ہے اس لیے

"اپنی" صحیح نہیں۔ اس جگہ "ہماری" چاہیے۔

پھر ابر میں وحشت کی تصویر نظر آئی

۳۹۹ لہرائی ہوئی بجلی زنجیر نظر آئی

یہ کہنا کہ "ابر میں وحشت کی تصویر نظر آئی" اک بے معنی سی بات ہے، اس لیے کہ وحشت قابلِ تشکّل نہیں۔

ہر عیش کی محفل میں پروانہ کا ماتم تھا

۴۰۰ جو شمع نظر آئی دلگیر نظر آئی

شمع کی صفت "دلگیر" غلط ہے۔

جب خون ہوا دل کا وہ آنکھوں میں آ بیٹھے

۴۰۱ آہوں کا حجاب اٹھا تاثیر نظر آئی

"دل کا خون ہونا" صحیح نہیں، دل خون ہونا بولتے ہیں، "تاثیر نظر آئی" بھی غلط ہے۔

کعبے میں کلیسا میں ہم نے تو جہاں دیکھا
اے قصرِ وفا تیری تعمیر نظر آئی ۴۰۲

دوسرے مصرع میں لفظ "قصر" مفید معنی نہیں' قصرِ وفا' کی بجائے صرف "وفا" سے خطاب ہوتا تو قافیہ "تعمیر" بامعنی ہوتا۔

اظہارِ محبت کی حسرت کو خدا سمجھے
ہم نے یہ کہانی بھی سو بار سنا ڈالی ۴۰۳

"حسرت کو خدا سمجھے" صحیح نہیں' خدا بدلا دے یا خدا سزا دے' کے معنی میں خدا سمجھے "سے" کے ساتھ مستعمل ہے' جیسے ع :-

اور اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اُس بت سے خدا سمجھے
(ذوق)

جینے میں نہ اب فانیؔ مرنے میں شمار اپنا
۴۰۴ ماتم کی بساط اس نے کیا کہہ کے اُٹھا ڈالی

"ماتم کی بساط" کسی کی وفات کے بعد بچھائی جاتی ہے، چونکہ فانی کا فوت ہونا مصرع اول سے ثابت نہیں ہوتا اس لیے یہ شعر مہمل ہے۔

ہوگیا خون ترے ہجر میں دل کا شاید
۴۰۵ اب تصور بھی ترا نقش برآب آتا ہے

"دل کا خون ہوگیا" سے قطع نظر مصرع ثانی میں لفظ "آتا" (جزوِ ردیف) مخل معنی ہے "نقش برآب ہے" کافی ہے۔

ملتی جلتی ہے تری عمر دو روزہ فانی
جی بھر آتا ہے اگر ذکر حباب آتا ہے ۴۰۶

"ملتی جلتی" اظہار شباہت کے موقع پر بولا جاتا ہے، یہ کہنا کہ "حباب" سے عمر ملتی جلتی ہے مضحکہ خیز ہے۔

موت آئی ہے تم نہ آؤ گے
تم نہ آئے تو موت آئی ہے ۴۰۷

دوسرے مصرع سے واضح ہے کہ موت آگئی ہے، ایسی صورت میں پہلے مصرع میں "تم نہ آؤ گے" (مستقبل) کہنا بے معنی ہے۔

وہ وعدۂ آساں پر مائل نظر آتا ہے
۴۰۸
اب کارِ تمنّا پھر مشکل نظر آتا ہے

"وعدہ" فی نفسہٖ نہ آسان ہے نہ مشکل؛ البتہ وعدہ کرنا' یا ایفائے عہد آسان اور مشکل ہو سکتا ہے۔

نیز مصرعِ ثانی میں "اب" کا لفظ ہوتے ہوئے "پھر" کا لفظ زاید ہے۔

دل کھوئے ہوئے برسوں گذرے ہیں مگر اب بھی
۴۰۹
آنسو نکل آتے ہیں جب دل نظر آتا ہے

"دل نظر آتا ہے" کہنا مہمل ہے' خواہ لفظ "دل" حقیقی معنی میں مستعمل ہو یا مجازی معنی میں ؟ ؟

روداد محبت کی تصویر ہے ہر آنسو
ہر قطرۂ خونیں میں اک دل نظر آتا ہے ۴۱۰

پہلے مصرع میں "ہر آنسو" دوسرے مصرع میں "ہر قطرۂ خونیں" ہونے کی وجہ سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ آنسو قطرۂ خونیں سے جدا اور قطرۂ خونیں آنسو سے جدا ہے؟

کافر ہوں گر یقیں نہ ہو کافر کی بات کا
وعدے ہیں اعتبار قیامت لیے ہوئے ۴۱۱

لفظ "اعتبار" خواہ کسی معنی میں استعمال ہوا ہو، اس کے ساتھ "لیے ہوئے" کہنا صحیح نہیں۔

روح کا آنسوؤں بھری آنکھوں میں پا تراب ہے
آکہ حیات مستعار نقش بروئے آب ہے ۴۱۲

"نقش بروئے آب" صحیح نہیں "نقش بر آب

یا نقش بر روئے آب" چاہیے۔

وہ مری شکایت پر چپ کھڑے ہیں محشر میں
۴۱۳
بت انہیں بنا پایا خدا کر کے

دوسرے مصرع کا پہلا ٹکڑا "بت انہیں بنا پایا" بول چال کے خلاف ہے۔

گو ہستی تھی خواب پریشاں نیند کچھ ایسی گہری تھی
۴۱۴
چونک اُٹھتے تھے ہم گھبرا کر پھر بھی آنکھ نہ کھلتی تھی

"چونک اُٹھنا" دفعتہً گھبرا کر جاگ اُٹھنا اس لحاظ سے دوسرے مصرع میں "گھبرا کر" مخل معنی ہے۔ نیز "نہ" کے عوض نہیں چاہیے۔

خراب لذت جاں کاہیٔ محبت ہوں
۴۱۵
مآل عشق سے قطع نظر نہیں ہے مجھے

"قطع نظر" بمعنی تاہم، اس پر بھی،

اس کے سوا "مصرع ثانی میں ردیف "نہیں ہے مجھے" سے "قطع نظر" کو کیا ربط ؟

نہیں یہ مردن دشوار بے سبب یعنے
یقین مژدۂ پیغامبر نہیں ہے مجھے ۴۱۶

یہ شعر غالب کے اس نہایت مشہور شعر سے ماخوذ ہے :-

ترے وعدہ پر جیے ہم تو یہ جان چھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

لیکن "مردن دشوار" "زیستن آساں" یہ ترکیب اضافی نہ فارسی میں صحیح نہ اُردو میں مستعمل -
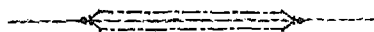
تصحیح اغلاط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۹	۹	نگاہ	دل میں سما کے
۳۱	۶	فصل کی وجہ	موجودہ ترکیب
۴۱	۷	مکتوب ہے تمنّا	تمنا ہے مکتوب
۴۱	۷	نہیں	چاہیے
۴۴	۷	دل چھوٹ	جی چھوٹ
۴۵	۷	دنیا بگڑ گئی	زمانہ بدل گیا
۵۲	۱۲	نگاہ جم	نگاہیں جم
۵۶	۹	باطل	حاصل
//	۱۰	لطف	مطلب حاصل سے
۵۸	۴	ہرتا کہ	ہرنالہ
۶۵	۴	مار ڈالا	مارا مجھ کو
//	۵	کردیا	کیا
۱۰۷	۱	دل کو فراق	فراق کو دل
۱۱۵	۱۰	ارمان	ایمان
۱۳۳	۵	صدقے آتا رنا	صدقے میں آتا رنا